صلی اللہ علیہ وسلم

محمد رسول اللہ

جلد اول

تالیف

خواجہ شمس الدین عظیمی

محمد رسول اللہ ﷺ جلد اول

تالیف : خواجہ شمس الدین عظیمی

معروف روحانی اسکالر، نظریہ رنگ و نور کے محقق، ۲۷ کتابوں کے مصنف و مؤلف

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب

نے اپنے مخصوص انداز و اسلوب میں سیرت طیبہ پر قلم اٹھایا ہے اس سلسلے کی

تین جلدیں اب تک منظر عام پر آ چکی ہیں۔

محمد رسول اللہ (جلد اوّل)

کتاب کے اس حصے میں بتایا گیا ہے کہ

☆ شرک کو ختم کرنے، توحید کو عام کرنے اور روحانیت کو متعارف کرانے کیلئے حضور ﷺ ... طرح پریشانیوں کا سامنا کیا۔

☆ یہ کتاب پڑھ کر ایک مرکز توحید پر قائم رہنے کا جرات مندانہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

محمد رسول اللہ (جلد دوئم)

کتاب کے اس حصے میں معجزات کی سائنسی تشریح کی گئی ہے۔

☆ چاند کے دو ٹکڑے کس طرح ہوئے؟

☆ منبر رسولؐ کے قریب کھجور کے درخت کے رونے کی آواز صحابہ کرام نے کس قانون کے ...

☆ کہکشائی دنیاؤں سے خاتم النبیینؐ کا براہ راست تعلق کن بنیادوں پر قائم ہے۔

محمد رسول اللہ (جلد سوم)

کتاب کے اس حصے میں

☆ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصوں میں مخفی حکمت بیان کی گئی ہے۔

☆ حضرت سلیمانؑ کے قصے میں TIME کو LESS کرنے کا قانون۔

☆ حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں میں لیزر شعاعیں۔

☆ حضرت عزیزؑ کے واقعہ میں DEEPFREEZER کا علم۔

☆ سائنسی توجیہات۔ مستقبل کے انکشافات۔

☆ قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں۔

الکتاب پبلی کیشنز: 1.K.5 ناظم آباد کراچی۔ فون: 6622784
E, mail : salam_arif@yahoo.com



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قسم ہے زمانہ کی، انسان خسارہ اور نقصان میں ہے
مگر وہ لوگ اس سے مستثنٰی ہیں جو رسالت اور
قرآن کی تعلیمات کو اپنا کر اس پر عمل پیرا ہوگئے۔
-=-=-=-=- (القرآن) -=-=-=-=-

پیدائش کے بعد انسان کا تعلق تین نظاموں سے ہے۔ پہلا نظام وہ ہے جہاں اس نے خالقِ حقیقی کو دیکھ کر اس کے منشاء کو پورا کرنے کا عہد کیا۔ دوسرا نظام وہ ہے جس کو ہم عالمِ ناسوت، دارالعمل یا امتحان گاہ کہتے ہیں۔ اور تیسرا نظام وہ ہے جہاں انسان کو امتحان کی کامیابی یا ناکامی سے باخبر کیا جاتا ہے۔

انسان کی کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ یہ جان لے کہ اس نے اللہ کے سامنے عہد کیا ہے کہ اللہ اس کا خالق اور رب ہے۔ علمائے باطن کہتے ہیں کہ انسان ستر ہزار پرت کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالٰی کے قانون کے مطابق انسان جب عالمِ ناسوت میں آتا ہے تو اس کے اوپر ایک پرت ایسا غالب آجاتا

ہے جس میں سرکشی، بغاوت، عدم تحفظ، عدم تعمیل، کفرانِ نعمت، ناشکری، جلد بازی، شک، بے یقینی اور وسوسوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ یہی وہ ارضی زندگی ہے جس کو قرآنِ پاک نے اسفل السافلین کہا ہے۔

انبیاء کرام کی تعلیمات یہ ہیں کہ پوری کائنات میں دو طرزیں کام کررہی ہیں۔ ایک طرز اللہ کے لئے پسندیدہ ہے اور دوسری طرز اللہ کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ وہ ناپسندیدہ طرز جو بندے کو اللہ سے دور کرتی ہے اس کا نام شیطنت ہے اور وہ پسندیدہ طرزِ فکر جو اللہ سے بندے کو قریب کرتی ہے اس کا نام رحمت ہے۔

روحانیت کے راستے پر چلنے والے مبتدی کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ انسان کا کردار اس کی طرزِ فکر سے تعمیر ہوتا ہے۔ طرزِ فکر میں اگر پیچ ہے تو آدمی کا کردار بھی پُر پیچ بن جاتا ہے۔ طرزِ فکر الٰہی قانون کے مطابق راست ہے تو بندے کی زندگی میں سادگی اور راست بازی کارفرما ہوتی ہے۔ طرزِ فکر اگر سطحی ہے تو بندہ سطحی طریقہ پر سوچتا ہے۔ طرزِ فکر میں گہرائی ہے تو بندہ شئے کی حقیقت جاننے کے لئے تفکر کرتا ہے۔

حقیقت پسندانہ طرزِ فکر ہر آدمی کے اندر موجود ہے لیکن ہر آدمی اسے استعمال نہیں کرتا۔ آدمی دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی غیر حقیقی باتوں کو اصل اور حقیقی سمجھتا ہے۔ سالک جب راہِ سلوک میں قدم بڑھاتا ہے تو والدین اور معاشرہ سے ملی ہوئی غیر حقیقی طرزِ فکر تبدیل ہوجاتی ہے۔

جس قسم کا ماحول ہوتا ہے اسی طرز کے نقوش کم و بیش ذہن میں نقش ہوجاتے ہیں۔ جس حد تک یہ نقوش گہرے ہوتے ہیں اسی مناسبت سے انسانی زندگی میں طرزِ فکر تشکیل ہوتی ہے۔ ماحول اگر ایسے کرداروں سے بنا ہے جو ذہنی پیچیدگی، بے یقینی، بددیانتی، تخریب اور ناپسندیدہ اعمال کا مظاہرہ کرتے ہیں تو فرد کی زندگی امتلا میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ ماحول میں اگر راست بازی اور اعلیٰ اخلاقی قدریں موجود ہیں تو ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والا فرد پاکیزہ نفس اور حقیقت آشنا ہوتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ مادری زبان سیکھنے کے لئے بچے کو قاعدہ پڑھنا نہیں پڑتا .... شک اور بے یقینی کا پیٹرن جس طرح بچے کے اندر ماحول سے خود بخود منتقل ہوجاتا ہے، اسی طرح پاکیزہ ماحول اور روحانی استاد کی قربت سے سالک

کے اندر یقین کا پیٹرن بن جاتا ہے۔

جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے سب کی طرزِ فکر یہ تھی کہ ماورائی ہستی کے ساتھ ہمارا رشتہ قائم ہے۔ یہی روحانی طرزِ فکر ہے اور یہی رشتہ کائنات کی رگِ جان ہے۔

روحانی طرزِ فکر مسلسل ایک عمل ہے جو سالک کے اندر خون کی طرح دور کرتا رہتا ہے۔ اس عمل میں بڑی رکاوٹ صدیوں پرانی وہ روایات ہیں جن کا مطمحِ نظر مادیت ہے۔ آدمی جس ماحول میں جوان ہوتا ہے وہ ماحول خاندان اور قبیلوں کی روایات بن جاتی ہیں۔ روایات کے امین والدین ہوتے ہیں، بھائی بہن ہوتے ہیں، کنبہ برادری کے لوگ اور تمام قرابت دار ہوتے ہیں۔ انسانی برادری میں دو طرح کے لوگ ہیں۔

۱۔ جو خاندانی روایات میں زندہ رہتے ہیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے اور اگر ہورہا ہے تو کیوں ہورہا ہے۔ ان کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہمارے باپ دادا اس طرح کرتے تھے۔

۲۔ دوسرا گروہ سوچتا ہے کہ ایسا کیوں ہورہا ہے۔ کیا صحیح اور کیا غلط ہے۔

مشرکین مکہ باوجودیکہ جانتے تھے کہ تین سو ساٹھ (۳۶۰)

بت ہمارے جیسے آدمیوں نے پتھروں سے تراشے ہیں۔ یہ آدمیوں کی طرح بول نہیں سکتے، سن نہیں سکتے .... لیکن خاندانی روایات کا اتنا زیادہ غلبہ تھا کہ وہ ان بے جان پتھروں کے مجسم ٹکڑوں کو خدا کا درجہ دیتے تھے نہ صرف خود خدا مانتے تھے بلکہ کوئی اس حقیقت کو بیان کرتا تھا کہ ہمارے خدا پتھروں کے بے جان مجسمے ہیں تو اس کے درپے آزار ہوجاتے تھے۔ شرمناک حد تک سزائیں دینا ان کے نزدیک بہترین عمل تھا۔ صدیوں پرانی روایات اور جہالت کی گرد سے اٹا ہوا ماحول ان کے اندر سے فہم کا چشمہ خشک کردیتا ہے۔

ہمارے سامنے ہمارے بچوں کی مثال ہے۔ ہم جب بچوں کو جہالت سے معمور ماحول سے الگ کرکے علمی ماحول میں داخل کرتے ہیں تو .... دراصل جہالت کے خلاف اعلانِ بغاوت کرتے ہیں۔ بچے کو اسکول (یعنی جاہلانہ ماحول سے آزاد ماحول) میں داخل کرتے ہیں۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے میں دس سال لگ جاتے ہیں۔ ایک سال کا وقفہ شمار کیا جائے تو ساڑھے تین ہزار گھنٹے صرف کرکے ہمارا بچہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ سو (۱۰۰) تک گنتی یاد کرلیتا ہے۔

میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے میں پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) گھنٹوں کا وقت اور ہزاروں روپے صرف ہوتے ہیں۔ ان پینتیس ہزار گھنٹوں میں ماں کی کوشش ہوتی ہے کہ بچہ پڑھائی میں لگا رہے۔ باپ بھی اس طرف توجہ دیتا ہے کہ بچے کی تعلیم میں کوتاہی نہ ہو۔ بھائی بھی کتابیں کاپیاں لے کر ساتھ بیٹھ جاتا ہے۔ بہن بھی پڑھنے کی تلقین کرتی ہے۔ گھر کے سبھی افراد توجہ دیتے ہیں تب سیکنڈری سطح کی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم ابھی شروع نہیں ہوئی ۔ میٹرک کے بعد راستہ کھلتا ہے کہ کس فیلڈ میں آگے بڑھنا ہے۔ ڈاکٹر بننا ہے، انجینئر بننا ہے، اکاونٹنٹ بننا ہے، جہاز اڑانا ہے، مشین بنانی ہے وغیرہ وغیرہ۔ دس سال میں آدمی عالم نہیں بن جاتا۔ قابلِ ذکر علوم کے حصول کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے ....
یہ تذکرہ دنیاوی تعلیم کا ہے۔

دوسری طرف روحانی علوم ہیں۔ ایک ہفتہ میں ایک گھنٹہ کا وقت آدمی بمشکل نکالتا ہے۔ اس تناسب سے ایک ماہ میں چار گھنٹے اور ایک سال میں اڑتالیس (۴۸) گھنٹے بنتے ہیں۔ آدمی کے دیگر معمولات بھی جاری رہتے ہیں۔ کاروبار بھی ہوتا رہتا ہے۔ ملازمت بھی جاری رہتی ہے۔ شادی بیاہ اور

دیگر امور بھی انجام دیئے جاتے ہیں اور صدیوں پرانی روایات اور ماحول سے بھی آدمی ذہنی طور پر وابستہ رہتا ہے۔

ایک سال میں صرف (۴۸) گھنٹے صرف کرکے اگر یہ سوچا جائے کہ کچھ حاصل نہیں ہوا، میں کشف کی لذت سے آشنا نہیں ہوا، مافوق الفطرت باتیں سامنے نہیں آئیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ روحانیت کی اہمیت دنیاوی علوم کی ابتدائی کلاسوں سے بھی کم کردی گئی ہے .... دس سال تک ہر سال ساڑھے تین ہزار گھنٹے صرف کرنے کے بعد طالب علم اس قابل ہوتا ہے کہ اعلٰی تعلیم کے کسی شعبہ کا انتخاب کرے تو ۴۸ گھنٹے کا وقت دے کر وہ کس طرح کہتا ہے کہ روحانی علوم حاصل نہیں ہوئے۔

خالص دنیاوی ماحول میں رائج طرزِ فکر سے روحانی استاد کی طرزِ فکر منفرد ہوتی ہے۔ روحانی استاد میں توکل اور استغناء ہوتا ہے، دنیا طلبی نہیں ہوتی۔ اس کی مرکزیت "توحید" ہے۔

روحانی علوم سیکھنے کے لئے طالبات اور طلباء کے لئے ضروری ہے کہ ان کے اندر منفی، شیطانی اور غیر اسلامی روایات سے بغاوت کرنے کا حوصلہ اور جذبہ ہو ....

صراطِ مستقیم پر چلنے اور مستقل مزاجی سے آگے بڑھنے کا عزم ہو۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقوشِ قدم پر قائم رہنے اور اللہ تعالٰی کا عرفان حاصل کرنے کے لئے طاغوتی طاقتوں اور نفس کی ہر سرکشی سے ٹکرانے اور انہیں زیر کرنے کی ہمت ہو۔

پیشِ نظر صفحات میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کے وہ پہلو جمع کئے گئے ہیں جن میں مثبت طرزِ فکر کو فروغ دینے میں شر کے نمائندوں کی طرف سے قدم قدم پر کھڑی کی گئی رکاوٹوں کا تذکرہ ہے۔ توحید کے راستے میں ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی پریشانیوں اور ذہنی اذیتوں میں گزر گئی۔ اور بالآخر وہ اللہ کا پیغام پہنچانے میں کامیاب و کامران ہوئے۔ وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ ان سے راضی ہوگیا۔

عظیمیہ سلسلہ کے ان افراد کے لئے جن کو روحانی مشن چلانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے ضروری ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کریں اور سیرتِ طیبہ کو بار بار پڑھیں اور اس بات پر غور و فکر کریں کہ حضور سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الٰہی مشن کو پھیلانے کے لئے اور

سیرتِ پاک کے اس حصہ کا مجمل خاکہ ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ دین کے سلسلے میں ۲۳ سال جد و جہد اور کوشش فرمائی ہے۔ پیدائش کے بعد سے چالیس سال تک کی عمر بھی سالکان کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی
مرکزی مراقبہ ہال
سرجانی ٹاؤن، کراچی۔
۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۷ ہجری
بمطابق ۲۹ جولائی ۱۹۹٦ عیسوی

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
	91

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر

بچپن کے بارہ سال

محمد الرسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس دنیا میں جب آنکھ کھولی تو ان کے والد حضرت عبد اللہ اس جہاں سے رخصت ہوچکے تھے۔ حضرت عبد اللہ شادی کے کچھ عرصہ بعد ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے واپسی میں یثرب کے مقام پر بیمار ہوئے اور عالمِ جوانی میں وہیں انتقال کرگئے۔ ان کے انتقال کے دو ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ بمطابق ۲۰ اگست ۵۷۰ء حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بھی حضورؐ کی تاریخِ پیدائش روایت کی گئی ہے)۔ آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے اپنے بیٹے کی پیدائش کی خبر اپنے سسر عبد المطلب کو بھیجی جو طوافِ کعبہ میں مصروف تھے۔ عبد المطلب گھر آئے اور حضورؐ کو خانہ کعبہ میں لے آئے اور اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کے فتنہ و شر سے محفوظ رکھنے کی دعا کی۔ عبد المطلب نے آپ کا نام "محمدؐ" رکھا۔

جب آپؐ دنیا میں آئے تو سر زمینِ عرب سرسبز و شاداب ہوگئی۔ درخت پھلوں سے جھک گئے۔ مکہ میں خوشحالی آگئی۔ اسی سال اصحاب الفیل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ جب ابراھہ اور اس کی ساٹھ ہزار فوج اور ۱۳ ہاتھی سنگریزوں کی بارش سے کھائے ہوئے بھُس میں تبدیل ہوگئے۔

ولادت کے وقت زلزلہ آیا اور کسریٰ شہنشاہِ فارس کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ آتش کدۂ فارس میں صدیوں سے روشن آگ بجھ گئی۔

حضورؐ نے تین دن تک اپنی ماں کا دودھ پیا پھر ثویبہ کا دودھ پیا۔ دوسال پہلے ثویبہ نے آنحضرتؐ کے چچا حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ یہ وہ خوش قسمت خاتون تھیں جنھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کی خبر ابولہب کو سنائی تو ابولہب نے انہیں آزاد کردیا۔

عربوں میں رواج تھا کہ پرورش کے لئے کم سن بچوں کو دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ دیہاتوں میں رہنے والی عرب عورتیں سال کے مختلف حصوں میں مکہ آتی تھیں اور شیر خوار بچوں کو پرورش کرنے کے لئے صحرا میں لے جاتی تھیں۔ قبیلہ بنوسعد بن بکر کی عورتوں نے دوسرے بچوں کو گود لیا اور حضرت حلیمہ

نے محمدؐ کو سینے سے لگایا۔

ابتدائی عمر کے چار سال آپؐ نے بنو سعد میں دائی حلیمہ کی رضاعت کے زیرِ سایہ گزارے۔ رضاعت سے فارغ ہوکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی والدہ کے پاس آگئے۔

جب آپؐ چھ سال کے ہوئے تو حضرت آمنہ اپنے خاوند کے مزار کی زیارت کے لئے یثرب تشریف لے گئیں۔ اس سفر میں اُمِ ایمن بھی ہمراہ تھیں۔ حضرت آمنہ ایک ماہ تک یثرب میں مقیم رہیں۔ وہاں روز بروز ان کی صحت خراب ہوگئی اور مکہ واپس آتے وقت سفر میں ابواء کے مقام پر ان کا انتقال ہوگیا۔ اُمِ ایمن محمد الرسول اللہؐ کو مکہ مکرمہ لائیں اور ان کے دادا عبد المطلب کے سپرد کردیا۔ دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ دادا عبد المطلب کا انتقال ہوگیا۔ دادا مرتے وقت اپنے آٹھ سالہ یتیم پوتے کو اپنے بیٹے ابوطالب کے حوالے کرگئے اور متوسط الحال ابوطالب کی سرپرستی میں محمدؐ کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔

آٹھ سال کی عمر میں جبکہ بچے دنیا کی اونچ نیچ سے بے خبر کھیل کود میں مگن ہوتے ہیں محمدؐ دن بھر بکریوں کی رکھوالی کرتے، جنگل میں انہیں چرانے لے جاتے، دوپہر کے کھانے میں جھڑبیری کے بیر کھاکر پیٹ بھرتے، اونٹوں کی مہار پکڑتے اور گھر

کے چھوٹے بڑے کام کرتے تھے۔ محمدؐ نے اپنے چچا کا ہاتھ بٹانے کے لئے اور چچا کے کندھوں سے اپنا بوجھ ہٹانے کے لئے مذکورہ بالا مصروفیتیں تلاش کرلیں۔ اگرچہ ابوطالب نے بھتیجے اور اپنے بچوں کے درمیان فرق نہ کیا اور دونوں میاں بیوی نے حقیقی بیٹے کی طرح ان کی پرورش کی لیکن ماں کی محبت اور باپ کی شفقت کا بدل تو نہیں ہوتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آٹھ سال کی عمر میں ہر صبح شہر سے باہر نکل جاتے اور شام گئے تک اکیلے صحرا میں رہتے تھے۔ اکثر اوقات لامحدود آسمان اور لامتناہی افق پر نظریں جمائے رکھتے اور سورج ڈھلنے سے پہلے مویشیوں کو لے کر واپس آبادی میں لوٹ آتے۔ وہ بچہ جس کا باپ نہ ہو، جس کی ماں نہ ہو اور جو کھیلنے کودنے کی عمر میں محنت مشقت کرے وہ زندگی میں خود کفیل (Self Made) ہوتا ہے۔

پیغمبرِ اسلامؐ کے چچا ابوطالب ایک تاجر تھے۔ وہ محمدؐ کو بارہ سال کی عمر میں شام لے گئے۔ شام کے شہر "بصرہ" کے نزدیک ان کا کارواں ٹھہرا۔ جس جگہ کارواں نے پڑاؤ کیا وہاں ایک صومعہ میں بحیراء نامی راہب رہتا تھا۔ سریانی زبان میں بحیراء کے معانی بزرگ اور دانشور کے ہیں۔ بحیراء نے اس دن

تک اپنے صومعہ سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اور نہ کسی کارواں کے مسافر سے گفتگو کی تھی۔ عربوں کا یہ تجارتی قافلہ جب صومعہ کے قریب فروکش ہوا تو بحیراء نے دیکھا کہ جس درخت کے نیچے قافلہ والے ٹھہرے ہیں اس کی ٹہنیاں خود بخود جھک گئی ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک بارہ سالہ لڑکا قافلہ میں شامل ہے۔ جس پر بادل کا ٹکڑا سایہ کئے ہوئے ہے۔ بحیراء نے آپؐ کو بحیثیت آخری نبی پہچان کر آپ کے سرپرست ابوطالب کو نصیحت کی کہ اپنے بھتیجے کی پوری پوری نگرانی کریں۔ ابوطالب نے کہا کہ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بچہ وہی ہے جس کا تذکرہ الہامی کتابوں میں ہے۔ بحیراء نے جواب دیا تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لئے جھک نہ گیا ہو۔

صادق اور امین

مکہ کے رہنے والے دو طریقوں سے اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ ایک تجارت اور دوسرے مویشیوں خاص طور پر اونٹوں کی پرورش کے ذریعے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجارت کو ذریعہ معاش بنانا پسند فرمایا۔ سوداگر قیس بن زید اپنا سامانِ تجارت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کردیتا تھا تاکہ وہ اسے فروخت کرنے کے لئے دوسرے شہروں میں لے جائیں۔ حساب کتاب میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ آپؐ اشیائے تجارت کی فروخت کے لئے جب بھی سفر پر روانہ ہوتے مکہ کے دوسرے تاجر یہ خواہش کرتے تھے کہ حضورؐ ان کا سامانِ تجارت بھی لے جائیں۔ انہی تاجروں میں سے ایک خاتون حضرت خدیجہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ پیغام بھجوایا کہ اگر وہ چاہیں تو ان کے تجارتی قافلے کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پیش کش کو اپنے چچا کے مشورے سے قبول کرلیا۔ حضرت خدیجہؓ

کے شوہر کا انتقال ہوچکا تھا۔ ان کی خاندانی شرافت، عزت و توقیر اور اعلیٰ کردار کی بناء پر مکہ کے بڑے بڑے رئیس اور سردار ان سے شادی کے خواہاں تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجموعہ صفات ذات نے حضرت خدیجہؓ کو بے حد متاثر کیا۔ انھوں نے اپنی سہیلی نفیسہ بن منبہ کے ذریعے شادی کا پیغام بھیجا۔ نکاح میں بنی ہاشم اور رؤسائے مکہ شریک ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانچ سو درہم بطور حق مہر حضرت خدیجہؓ کو ادا کئے۔ یہ روایات بھی ملتی ہیں کہ حق مہر کے طور پر بیس اونٹ دیئے گئے تھے۔

سن ۶۰۵ عیسوی میں جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پینتیس (۳۵) سال کے تھے مکہ میں دو ناگوار واقعات پیش آئے۔ پہلا یہ کہ خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی اور دوسرا یہ کہ سیلاب اس کے کچھ حصوں کو بہا لے گیا۔ جس کی بناء پر خانہ کعبہ کو خاصا نقصان پہنچا۔ قریش کے دس قبیلوں نے یہ فیصلہ کیا کہ لوگوں سے چندہ جمع کیا جائے اور عوامی چندہ کی مدد سے خانہ کعبہ کی مرمت کی جائے۔ مرمت کا کام جس رومی معمار کو سونپا گیا اس نے مشورہ دیا کہ مرمت کے بجائے خانہ کعبہ مکمل طور پر ڈھا دیا جائے اور از سرنو تعمیر کی جائے۔ قریش کے بزرگوں نے صلاح مشورہ کے

بعد خانہ کعبہ کو ڈھانے کی منظوری دے دی اور رومی معمار نے بلا توقف اپنا کام شروع کردیا۔ تعمیرِ کعبہ میں تمام قبائل نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن جب حجرِ اسود کی تنصیب کا مرحلہ آیا تو قریش کے دس قبیلوں کے درمیان شدید اختلاف ہوگیا۔ کیونکہ ہرقبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ حجرِ اسود کو خانہ کعبہ میں لگانے کا اعزاز صرف اسے حاصل ہونا چاہیئے۔ اس قضیئے کا حل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نکالا کہ ایک چادر منگوا کر حجرِ اسود کو اس چادر پر رکھ دیا اور قریش کے سرکردہ لوگوں نے اس چادر کو چاروں طرف سے پکڑ کر اٹھایا اور خانہ کعبہ کی دیوار تک لے گئے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس چادر کا ایک کونہ اپنے ہاتھ میں تھاما اور قریش کے دوسرے لوگوں کی مدد سے حجرِ اسود کو خانہ کعبہ کی دیوار تک پہنچا کر نصب کردیا۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا

حضورؐ کی عمرِ مبارک جب چالیس برس کی ہوئی تو طبیعت کا میلان تنہائی کی طرف زیادہ ہوگیا۔ ستو اور پانی لے کر مکہ سے دو میل دور غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور کائناتی امور اور قدرت کی پھیلائی ہوئی نشانیوں پر تفکر کرتے، مظاہرِ قدرت کے پسِ پردہ کام کرنے والے حقائق کا کھوج لگاتے۔ اس ہی غار میں آپؐ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب ہر سال ایک ماہ کا عرصہ گزارتے تھے۔

غارِ حرا میں ایک رات جبرائیلِ امین تشریف لائے اور آپؐ سے کہا "پڑھو!"

آپؐ نے فرمایا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔

جبرائیلِ امینؑ نے آپؐ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا "پڑھو"۔ آپؐ نے وہی جواب دہرایا۔ جبرائیل نے دوبارہ بھینچ کر سینے سے لگایا اور کہا، پڑھو۔ آپؐ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبرائیلِ امین نے تیسری مرتبہ بازوؤں کے حلقہ

میں لے کر دبایا اور کہا۔

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا۔
آدمی لہو کی پھٹکی سے۔
پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔
جس نے علم سکھایا قلم سے۔
سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔ (علق)

اس واقعہ کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام گھر کی جانب روانہ ہوئے۔ جس وقت آپؐ گھر تشریف لائے آپ کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑچکا تھا اور طبیعت میں ضعف اس قدر غالب تھا کہ آپ دیوار کا سہارا لے کر چل رہے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو سہارا دیا اور اس تھکان کی وجہ دریافت کی۔ آپؐ نے جواب میں کہا، "مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو"۔ انہوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی۔ جب طبیعت سنبھلی تو آپؐ نے سارا واقعہ بیان کیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دی اور کہا، "اللہ تعالیٰ آپؐ کو رسوا نہ کرے گا، آپؐ صلۂ رحمی کرتے ہیں۔ درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔" حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل

کے پاس لے گئیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے غارِ حرا میں پیش آنے والا واقعہ بتایا تو ورقہ بن نوفل نے کہا کہ خدا کا یہ کلام بلاشبہ وہی "ناموس" ہے جو اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ لغوی اعتبار سے ناموس خدا کے ان احکام کا نام ہے جو بنی نوع انسان کے لئے وضع کئے جاتے ہیں۔ ورقہ بن نوفل نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو اس کی بناء پر لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے اے کاش میں اتنا زندہ رہوں کہ دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کرسکوں۔

تین سال تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام راتوں کو غارِ حرا میں جاتے رہے اور وہاں صبح تک غور و خوض میں ڈوبے رہتے اور دائم خدا کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی جبرائیل کی آواز بھی سنائی دیتی جو صرف یہ کہتے کہ یا محمدؐ! آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور میں اس کا فرشتہ جبرائیل ہوں۔ لیکن اس کے علاوہ جبرائیل کوئی اور بات نہ کہتے تھے۔ ایک رات جبرائیل غار میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور سورۃ الضحیٰ تلاوت کی۔

عربی زبان میں والضحیٰ کا مفہوم یہ ہے قسم اس وقت کی

جب سورج کی شعاعیں افق سے نمودار ہوں اور رفتہ رفتہ یوں پھیلنے لگیں کہ زمین کا گوشہ گوشہ سورج کی روشنی سے چمک اٹھے اور پھر ساری کائنات آنکھوں کو خیرہ کردینے والے سورج کے نور سے منور ہوجائے۔

"والیل اذا سجیٰ" اس آیت کی دوسری سوگند ہے۔ پہلی سوگند کی طرح اس کے مجازی معنی بھی بہت وسیع ہیں۔ قسم اس وقت کی جب تاریکی چھا جاتی ہے اور دنیا تاریکی میں ڈوب جاتی ہے اور اس جہاں پر طاری ہونے والا سکوت اتنا گہرا ہوتا ہے کہ کہیں دور سے اٹھنے والی ہلکی سی آواز بھی بہت قریب سے سنائی دیتی ہے۔ مذکورہ سورۃ کی تیسری آیت میں خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد کیا ہے، "ماودعك ربك وما قلی" اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہن میں ابھرنے والی تشویش کا جواب دیتے ہوئے کہاگیا ہے کہ آپ پریشان تھے اور یہ تصور کررہے تھے کہ خدا نے اپنی شناسائی کے بعد آپ کو اکیلا چھوڑ دیا ہے اور آپ سے اپنی دوستی اور محبت واپس لے لی ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں اور خدا نے آپ کو چھوڑا نہیں اور آپ بدستور خدا کے محبوب ہیں۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لانے والی پہلی شخصیت ان کی زوجہ حضرت خدیجہؓ تھیں اور اس کے بعد ان کے چچا کے بیٹے حضرت علی ابن ابی طالب مسلمان ہوئے۔ جنہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی اولاد کی طرح پالا پوسا تھا۔ تیسرے مسلمان حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے غلام زیدؓ تھے۔ جنہیں رسولِ خدا نے آزاد کردیا تھا لیکن وہ اپنے والدین کے پاس جانے پر رضامند نہ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنے ماں باپ سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے بعد کوئی اور شخص حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوا۔ تین سال کی مدت میں یعنی ۶۱۰ء سے ۶۱۳ء تک مسلمانوں کی تعداد خود حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علاوہ، انہی تین افراد پر مشتمل تھی۔ اس سال حضرت ابوبکرؓ بھی مسلمان ہوگئے اور یوں مسلمانوں کی تعداد چار ہوگئی۔

دعوتِ حق

سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۴ "وانذر عشیرتك الاقربین" یعنی "اپنے قریبی رشتہ داروں کو دینِ اسلام کی دعوت دیں۔" کے نازل ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچاؤں اور ان کی اولاد کو ایک ضیافت میں جمع کیا اور پیغامِ حق سنایا۔ ابولہب یہ سن کر بولا۔ تمہارا خاندان سارے عرب سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا۔ نادانی کی باتیں نہ کرو۔ تمہارے لئے تمہارے باپ کا خانوادہ ہی کافی ہے۔ اگر تم اپنی بات پر قائم رہے تو یہ بہت آسان ہوگا کہ قریش کے سارے لوگ تم پر ٹوٹ پڑیں اور بقیہ عرب بھی ان کی مدد کریں اور میں سب سے زیادہ حق دار ہوں کہ تمہیں پکڑلوں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کرلی اور اس مجلس میں کوئی گفتگو نہ کی۔

کچھ عرصہ بعد حضورؐ نے انہیں دوبارہ جمع کیا اور اللہ تعالی کی حمد و ثنا کے بعد اپنی رسالت کا اعلان کیا۔ لیکن اہلِ خاندان نے بات سنی ان سنی کردی اور کسی بات کو قبول نہیں کیا۔

قرابت داروں کو تبلیغ کے حکم پر جب عملدرآمد ہوگیا تو سورۃ الحجر کی آیت نازل ہوئی:

ترجمہ:

"سو سنادے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور دھیان
نہ کر شرک والوں کا۔" (آیت ۹۴)

حکم کی تعمیل میں سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام نے اہل مکہ کو دعوتِ دی کہ وہ مقررہ دن کوہِ صفا پر جمع ہوں کیونکہ وہ ایک اہم بات ان تک پہنچانا چاہتے ہیں؟ سبھی لوگ جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریبی رشتہ دار بھی شامل تھے کوہِ صفا پر جمع ہوگئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بلندی پر کھڑے ہوکر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے لوگوں! اگر میں کوئی اہم بات تمہارے لئے بیان کروں تو کیا تم اسے قبول کرلو گے؟" حاضرین نے ایک آواز ہوکر جواب دیا، "اے محمدؐ! ہمیں تمہاری بات پر یقین ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تم راست گو ہو اور کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتے۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا "اے لوگو! اللہ نے مجھے رسالت کے لئے منتخب کرلیا ہے اور میں اس کی طرف سے مامور ہوں تاکہ میں تمہیں احکام خداوندی کو ماننے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی

دعوت دوں اور اگر تم لوگ اللہ کی اطاعت سے منہ پھیرو گے تو تم پر اس کا غضب نازل ہوگا۔ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کلمات کو ادا کیا تو ابی لہب نے چلاتے ہوئے کہا کہ "اے محمد! کیا تو نے یہی بات سنانے کے لئے ہمیں یہاں بلایا تھا؟ اور کیا تونے یہ نہیں سوچا کہ ان باتوں کی اتنی اہمیت نہیں کہ ہم اپنا کاروبار چھوڑ کر یہاں چلے آئیں۔" پھر ابی لہب وہاں موجود لوگوں سے مخاطب ہوا "اس کی باتوں پر کان مت دھرو اور اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ محمد تو اپنی عقل کھو بیٹھا ہے۔" لوگ منتشر ہوگئے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس صرف دو افراد رہ گئے ایک حضرت علیؓ اور دوسرے حضرت زیدؓ۔ اس واقعہ کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے قریبی رشتہ داروں نے ان کے خلاف محاذ آرائی شروع کردی اور انہیں طعن و تمسخر کا نشانہ بنانا شروع کردیا۔ جب جماعت قریش اور خاص طور پر ابی لہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے یہ دیکھا کہ ان کی زبان کے تیر حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر بظاہر اثر انداز نہیں ہورہے تو وہ لوگ پیغمبر اسلام کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے پر اتر آئے۔ اگرچہ ابی لہب اور اس کی بیوی کا تعلق مکہ کے "مہذب" طبقے سے

تھا لیکن اخلاقی طور پر وہ انتہائی پست درجے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف پتھر پھینکتے تھے جس کے باعث ان کے گھر کی کھڑکیاں جو لکڑی سے بنی ہوئی تھیں ٹوٹ جاتی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ پیسے دے کر آوارہ بچوں کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر پر پتھراؤ کرواتے تھے اور مردہ جانوروں کی آلائشیں اور ان کی گندگی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں پھینکواتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بھی گھر سے باہر نکلتے تو ام جمیل اور ابی لہب کے اکسانے پر گلی کوچوں کے بچے اور دوسرے آوارہ لوگ انہیں پتھروں کا نشانہ بناتے۔ جس سے حضورؐ کے سر اور چہرے سے خون بہنے لگتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دامن سے خون پونچھتے اور جب گھر واپس پہنچتے تو حضرت خدیجہؓ انہیں اس حال میں دیکھ کر دکھ بھرے لہجے میں پوچھتیں، "یامحمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آج بہت رنج اٹھایا ہے؟" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں کہتے "اے خدیجہؓ جب انسان یہ جان لے کہ وہ کس مقصد کے لئے اور کس کی خاطر رنج اٹھارہا ہے تو اسے دکھ اور درد کا احساس نہیں رہتا۔" ابی لہب کی بیوی حضور علیہ والصلوٰۃ والسلام کی راہ میں نوکیلے

کانٹے بچھاتی تھی تاکہ وہ ان کے پاؤں میں چبھ جائیں اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر پہنچ کر اپنے پاؤں سے کانٹے نکالتے تو خون جاری ہوجاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان والوں نے انہیں اتنی تکالیف پہنچائیں کہ ایک دن دلبرداشتہ ہوکر خدا کے حضور عرض کیا "اے اللہ تو بہتر جانتا ہے ان میں سے کوئی بھی تیرے دین کو قبول کرنے پر تیار نہیں"۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دلجوئی کی:

ترجمہ:

"سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور دھیان نہ کر شرک والوں کا۔ ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنے والوں کو۔ جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ اور کسی کی بندگی، سو آگے معلوم کریں گے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے ان کی باتوں سے۔ سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور رہ سجدہ کرنے والوں میں اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھے یقین۔" (الحجر ۹۴ تا ۹۹)

ابی لہب نے جب یہ دیکھا کہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام حق بات کہنے سے نہیں رکتے تو اس نے کمینگی کی انتہا کردی۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت امِ کلثوم ابی لہب کے گھر بیاہی ہوئی تھیں۔ حضورؐ کو رنج میں مبتلا کرنے کے لئے اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے انہیں طلاق دلوا کر باپ کے گھر بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ابولہب کے بیٹوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان کی بیویاں "محمد" جیسے شخص کی بیٹیاں ہوں کیونکہ آج محمد تمام لوگوں کی نفرت اور مذمت کا شکار ہے اور ایسے شخص کے ساتھ تعلقات رکھنا مکہ میں شرم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ اس واقعہ سے بہت دلبرداشتہ ہوئیں لیکن حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین کی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ایک باپ تھے اور دوسرے تمام والدین کی طرح انہیں بھی اپنی بچیوں کا گھر بار اجڑنے پر صدمہ پہنچا تھا لیکن خاندانی دشمنی اور طرح طرح کے نفسیاتی دباؤ کے باوجود ان کے قدم نہ ڈگمگائے اور انہوں نے خدا کے دین کی تبلیغ میں ایک لحظہ بھی فروگزاشت نہیں کیا۔ بہرحال بعثت کے چوتھے سال تک ان کے قریبی رشتہ دار اور قبیلہ قریش کے دوسرے افراد انہیں مختلف قسم کی اذیتیں پہنچاتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنے راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کی وجہ یہ

بھی تھی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عملی طور پر اپنے دین کی منادی شروع کردی تھی اور وہ اپنے رشتہ داروں اور قبیلہ قریش کے دوسرے افراد سے فرماتے تھے:

"ان خداؤں کی پرستش نہ کرو جو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔ صرف اس خدا کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں اور جو ساری کائنات کا مالک ہے۔" حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے قریب رشتہ دار اور قبیلہ قریش کے دوسرے افراد ان سے یہ پوچھتے کہ کیا تم یہ چاہتے ہوکہ ہم ان خداؤں کی پوجا کرنا چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب میں فرمایا۔ "ہاں! خود ساختہ خداؤں کی پرستش چھوڑ دو۔ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش و عبادت کرو"۔

یہ جواب سن کر قریش کا غیظ و غضب شدت اختیار کرگیا اور وہ فیصلہ کن اقدام کے بارے میں سوچنے لگے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام دن کے وقت اپنے گھر سے نکل کر خانہ کعبہ کی طرف تشریف لے جاتے تھے اور وہاں خدا کی عبادت میں مشغول ہوجاتے تھے۔ قریش نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر پابندی عائد کردی کہ وہ "بیت اللہ" میں داخل نہیں ہوسکتے۔

ایک ہاتھ میں سورج - ایک ہاتھ میں چاند

کفار مکہ کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح اپنا شرف اور اقتدار برقرار رکھیں۔ باہمی مشاورت سے اشرافِ قریش کی ایک جماعت آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس آئی انہوں نے شکایت کی کہ اے ابوطالب! آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ اس نے ہمارے باپ دادا کے طریقے پر نکتہ چینی کی ہے۔ ہمیں عقل و فہم سے عاری قرار دیتا ہے۔ محمد ہمارے باپ دادا کو بھی گمراہ کہتا ہے۔ ہم یہ توہین برداشت نہیں کرسکتے۔ آپ یا تو اسے روک دیں کہ وہ ان باتوں سے باز آجائے یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق کا پرچار جاری رکھا اور باطل کی تکذیب کرتے رہے۔ اہلِ مکہ سے صبر نہ ہوسکا وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور سختی سے مطالبہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روک دو یا اس کی حمایت سے دستبردار ہوجاؤ۔ ورنہ ہم سب تمہارے خلاف جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ

فریقین میں سے ایک دنیا میں نہ رہے۔

ابوطالب کو اپنے یتیم بھتیجے کی فکر لاحق ہوئی اور انہیں بلا کر سمجھانے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنے مہربان چچا کے منہ سے تبلیغِ حق ترک کردینے کا مشورہ سنا تو فرمایا:

"خدا کی قسم! وہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں خدا کا حکم اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں، میں ہر گز اس کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ یہاں تک کہ خدا کا سچا دین لوگوں میں پھیل جائے یا کم از کم میں اس جدوجہد میں اپنی جاں دے دوں۔"

ابوطالب نے جب اپنے بھتیجے کا یہ عزم دیکھا تو کہا، "تم اپنا کام کرتے رہو۔ میں تمہاری حمایت سے کسی وقت بھی دست بردار نہیں ہوں گا۔"

اسی دوران حج کا موسم آ گیا۔ قریش کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ عرب کے وفود کے سامنے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نئے دین کا پرچار ضرور کریں گے۔ لہذا اس کے توڑ کے لئے پہلے ہی اقدامات طے کرلئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے وہ "دارالندوۃ" میں جمع ہوئے۔ دارالندوہ قریش کا پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ یہ کعبہ شریف کے پہلو میں ایک ذی شان محل تھا۔ قریش

جب کسی اہم اور خاص کام کو شروع کرنا چاہتے تو سب اسی محل میں جمع ہوکر صلاح مشورہ کرتے تھے۔

ولید بن مغیرہ کی سرکردگی میں گفت و شنید ہوئی۔ کسی نے کہا کہ پاگل مشہور کردیا جائے کسی نے مشورہ دیا کہ کاہن کے نام سے شہرت دی جائے۔ کسی نے کہا کہ شاعر کہا جائے۔ لیکن ولید بن مغیرہ کسی بات سے متفق نہ ہوا۔ بالآخر سب نے اس سے رائے مانگی تو اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جادوگر کی حیثیت سے مشہور کردیا جائے۔ لہذا طے پایا کہ مکہ کے تمام راستوں پر اپنے آدمی بٹھا دیئے جائیں تاکہ اطرافِ عالم سے جو لوگ حج کے لئے آئیں انہیں یہ باور کرایا جائے کہ یہاں ایک ساحر ہے جو اپنے کلام سے باپ بیٹے اور خاوند بیوی میں اور تمام رشتوں میں باہمی تفریق ڈال دیتا ہے۔ لہذا تم لوگ اس کے پاس نہ جانا۔

قرآن نے اس مجلس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

ترجمہ:

"اس نے سوچا اور اندازہ لگایا۔

وہ غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا۔

پھر غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا۔

پھر نظر دوڑائی۔

پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بسورا۔

پھر پلٹا اور تکبر کیا۔

آخر کار کہا کہ یہ نرالا جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آرہا ہے۔

یہ محض انسان کا کلام ہے۔" (مدثر، ۲۴-۱۸)

اس کام میں سب سے زیادہ پیش پیش ابولہب تھا۔ وہ لوگوں کے ڈیروں اور عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں آپؐ کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔ جہاں آپؐ تبلیغ کرتے ابولہب پکار پکار کر لوگوں کو کہتا کہ اس کی بات نہ ماننا۔ لوگ جب حج سے واپس ہوئے تو ان کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ آپؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس طرح پورے عرب اور قرب و جوار میں آپ کا چرچا پھیل گیا اور کفار کی تدبیر الٹ گئی۔

کفار مکہ نے جب یہ دیکھا کہ ان کی تدبیریں ناکام ہورہی ہیں اور آپ کی دعوت عام ہورہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام کی تعلیمات سے واقف ہورہے ہیں تو انہوں نے مشورہ کرکے مکہ کے سب سے چالاک اور زیرک سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپؐ کے پاس بھیجا کہ وہ آپؐ کو دنیاوی طمع اور لالچ دے کر

تبلیغ دین سے روک دے۔

عقبہ نے آپ کے پاس پہنچ کر کہا، "بھتیجے تم حسب و نسب میں ہم سب سے بہتر ہو۔ تم نے ہمارے آباؤ اجداو کے طریقہ کو باطل قرار دیا ہے اور انہیں جاہل سے تعبیر کیا ہے۔ تم آج اپنے دل کی بات کہہ دو کہ تمہارا مدعا کیا ہے؟ اگر تم دولت کے لئے یہ سب کچھ کررہے ہو تو ہم تمہارے واسطے اتنا مال جمع کردیں گے کہ تم اہل مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوجاؤ گے۔ اگر سرداری حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم اس پر راضی ہیں کہ تمہیں قریش کا سردار بنادیں۔ اگر تم شادی کے خواہش مند ہو تو مکہ کی سب سے خوبصورت لڑکی کو تمہاری دلہن بنادیں گے اور اگر یہ سب نہیں ہے اور تم کسی جن یا ماورائی طاقت کے زیرِ اثر ہو جس کی باتیں تم لوگوں کو سناتے ہو اور اس سے چھٹکارا پانے سے عاجز ہوتو ہم تمہارے لئے حاذق طبیب تلاش کرتے ہیں تاکہ وہ تمہارا علاج کرے اور تمہیں صحت حاصل ہو۔"

عقبہ کے طویل لیکچر کے بعد سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں سورۃ حٰم السجدہ کی تلاوت کی۔ عقبہ گم سم سنتا رہا۔ پھر اٹھ کر اپنی قوم میں واپس آگیا۔ عقبہ کو آتا دیکھ

کر مشرکین نے ایک دوسرے سے کہا، خدا کی قسم! ابو الولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آرہا جو چہرہ لے کر گیا تھا۔ عقبہ نے کہا، "آج میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس سے پہلے اپنی عمر میں کبھی نہیں سنا تھا۔ خدا کی قسم! نہ وہ شاعری ہے، نہ جادو، نہ وہ نجومیوں کا کلام ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم سب اس کو اذیت دینے سے باز آجاؤ۔ جو کلام میں نے سنا ہے اس کی شان ظاہر ہونے والی ہے۔ میری بات مانو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر عرب اس پر غالب آگئے تو تمہارا کام دوسرے کے ذریعے انجام پائے گا اور اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی عزت ہماری عزت ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے ہی قبیلہ سے ہے"۔ لوگ حیرت سے اس کو تکنے لگے پھر انہوں نے رائے قائم کی کہ عقبہ پر محمدؐ کا جادو چل گیا ہے۔

ایک روز جبکہ رسول اللہؐ کعبہ کا طواف کررہے تھے قریش کے سرکردہ افراد ان کے پاس آئے اور تجویز پیش کی کہ اے محمد! آؤ جسے تم پوجتے ہو اسے ہم بھی پوجیں اور جسے ہم پوجتے ہیں اسے تم بھی پوجو۔ اس طرح ہم اور تم اس کام میں مشترک ہوجائیں۔ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ ایک سال آپؐ قریش کے

معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال قریش آپؐ کے رب کی عبادت کیا کریں گے۔ قریش کی اس قسم کی تجاویز کے جواب میں سورۃ کافرون نازل ہوئی۔

جب قریش کا کوئی حیلہ کارگر نہ ہوا تو ایک بار پھر انہوں نے غور و خوض کیا اور آپؐ کی دعوت کا قلع قمع کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔ قرآن نے کفار کی اس مہم کا تذکرہ جگہ جگہ کیا ہے:

ترجمہ:

"اور لوگ کہتے ہیں، اے شخص کہ تجھ پر اتری ہے
نصیحت تو یقیناً دیوانہ ہے۔" (الحجر ۔ ۶)

ترجمہ:

"اور اچنبھا کرنے لگے اس پر کہ آیا ان کو ایک ڈر
سنانے والا انہی میں سے، اور لگے کہنے منکر یہ جادوگر
ہے جھوٹا۔" (ص ۔ ۴)

ترجمہ:

"اور منکر تو لگے ہی ہیں کہ ڈگادیں تجھ کو اپنی
نگاہوں سے، جب سنتے ہیں سمجھوتی اور کہتے ہیں وہ باولا
ہے۔" (القلم ۔ ۵۱)

ترجمہ:

"اور اسی طرح آزمایا ہے ہم نے ایک کو ایک سے
کہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا
ہم سب میں سے؟ کیا اللہ کو معلوم نہیں حق ماننے
والے۔" (الانعام۔ ۵۳)

ترجمہ:

"جو گنہگار ہیں، وہ تھے ایمان والوں سے ہنستے۔ اور
جب ہو نکلتے ان پاس آپس میں اشارے کرتے۔ اور
جب پھر کر جاتے اپنے گھر، پھر جاتے باتیں بناتے۔
اور جب ان کو دیکھتے، کہتے بے شک یہ لوگ بہک
رہے ہیں۔ اور ان کو بھیجا نہیں ان پر نگہبان۔"

(المطففین ۲۹ ۔ ۳۳)

ترجمہ:

"اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں اگلوں کی، جو لکھ لایا ہے،
سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح و شام۔"

(الفرقان ۔ ۵)

ترجمہ:

"اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں یہ مگر جھوٹ

باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے، سو آئے بے انصافی اور جھوٹ پر۔"

(الفرقان - ۴)

ترجمہ:

"اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو سکھاتا ہے آدمی۔" (النحل - ۱۶)

ترجمہ:

"اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں، کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو۔"

(الفرقان- ۷)

اذیت کمیٹی

مشرکین کی کاروائیاں حق کے پرچار کو روکنے میں کامیاب اور مؤثر ثابت نہیں ہورہی تھیں۔ کفار اس صورت حال سے پریشان تھے۔ بالآخر ۲۵ سرداران قریش کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا سربراہ ابی لہب تھا۔ کمیٹی نے طے کیا کہ اسلام کی مخالفت، پیغمبر اسلام کی ایذاء رسانی اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جوروستم اور ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے گی۔

ابولہب عداوتِ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر بڑھ گیا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابولہب خوشی سے دوڑتا ہوا اپنے رفقاء کے پاس پہنچا اور انہیں اپنے تئیں خوشخبری سنائی کہ محمدؐ ابتر (نسل بریدہ) ہو گئے ہیں۔ قرآن حکیم نے ابی لہب کے اس عمل سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچنے والے دکھ کا مداوا سورہ کوثر میں کیا ہے۔

ترجمہ:

"ہم نے تجھ کو دی کوثر۔

سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔

بے شک جو بیری ہے تیرا وہی رہا پیچھا کٹا۔ (الکوثر)

ایک دن جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام خانہ کعبہ میں اللہ کی عبادت کررہے تھے ابو جہل اپنے قبیلے کے کچھ دوسرے افراد کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا۔ ابوجہل کے ہاتھ میں اونٹ کی اوجڑی تھی جس میں کثیف خون اور دوسری گندگیاں بھری ہوئی تھیں۔ جذیرۃ العرب میں کسی کو سزائے موت دینے کا ایک طریقہ یہ تھاکہ پانی یا خون یا دوسری گندگیوں سے بھری ہوئی اونٹ کی اوجڑی کو سرپر اس طرح چڑھا دیتے تھے کہ سر اور چہرا اوجڑی کے اندر پھنس جاتا تھا اور پھر اوجڑی کے نچلے حصے کو کسی تھیلے کے منہ کی طرح مضبوطی سے گردن میں باندھ دیا جاتا تھا۔ اس طرح ناک اور منہ مکمل طور پر اوجڑی کے غبارہ میں بند ہوجاتے تھے اور سانس رک جاتا تھا .... دم گھٹنے کے باعث جلد ہی موت واقع ہوجاتی تھی۔ اس روز ابوجہل اور اس کے ساتھی یہ فیصلہ کرکے آئے تھے کہ وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو اوجڑی کے ذریعے ہلاک کردیں گے۔ ابوجہل اور اس

کے ساتھی جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنے گردوپیش سے بے خبر اللہ کے سامنے سربسجود تھے۔ ابوجہل نے اونٹ کی اوجڑی سجدہ کی حالت میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سر پر رکھ دی اور جلد ہی آپؐ کا چہرہ اور سر اس اوجڑی میں مبتلا ہوگیا۔ پھر ابوجہل نے بڑی پھرتی کے ساتھ اوجڑی کے دوسرے سرے کو ایک تھیلی کی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی گردن میں باندھ دیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ کوئی چیز ان کے سر پر رکھ دی گئی ہے تو انہوں نے اٹھ کر اپنے آپ کو نجات دلانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔

جو لوگ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آس پاس موجود تھے وہ انہیں اپنی رہائی کے لئے تگ و دو کرتا ہوا دیکھ رہے تھے انہیں بخوبی یہ احساس تھا کہ سانس رکنے کے باعث حضور علیہ الصلوۃ والسلام جلد ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بے قراری اور بے تابی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ سوچا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے اور سر سے اوجڑی کا غلاف اتار دیں لیکن انہیں ابوجہل کا خوف تھا اور وہ جانتے تھے کہ اگر وہ حضور علیہ الصلوۃ

والسلام کی مدد کریں گے تو ابوجہل جیسے خوفناک شخص کی دشمنی مول لیں گے۔

قریش کی ایک عورت جو وہاں موجود تھی اس کربناک منظر کی تاب نہ لاسکی اور دوڑتی ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر پہنچی اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو اطلاع دی۔ حضرت رقیہؓ سراسیمہ حالت میں روتے ہوئے خانہ کعبہ تک پہنچی۔ ابوجہل اور دوسرے لوگوں نے جب حضرت فاطمہؓ کو آتے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور حضرت فاطمہؓ نے بلاتاخیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے اور سر کو اوجڑی کی گرفت سے آزاد کیا اور اپنے دامن سے ان کے چہرے کو صاف کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دم گھٹنے کے باعث ایک گھنٹہ تک حرکت کرنے کے قابل نہ ہوسکے اور اس کے بعد اپنی بیٹی کے سہارے کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ گھر پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہؓ کی مدد سے اپنے چہرے اور سر سے خون اور دیگر کثافت کو صاف کیا، کپڑے تبدیل کئے۔ حضرت رقیہ نے اپنے والد کے کپڑے دھوکر سکھانے کے لئے دھوپ میں ڈال دیئے۔ اگلے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتہ روز کے واقعہ سے خوفزدہ ہوئے بغیر دوبارہ خانہ کعبہ کی طرف

روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر عبادت میں مشغول ہوگئے۔ اس مرتبہ عقبہ نامی شخص نے سجدے کی حالت میں اپنی چادر ان پر ڈال دی اور اتنا شدید حملہ کیا کہ آپؐ کی ناک اور منہ سے خون جاری ہوگیا۔ عقبہ یہ کوشش کررہا تھا کہ سجدے سے سر اٹھانے سے پہلے ہی پے در پے وار کرکے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتمہ کردے۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے آپ کو حملہ آور کے ہاتھوں سے چھڑانے میں کامیاب ہوگئے اور خون آلود چہرہ کے ساتھ گھر واپس لوٹ آئے۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا نام اروی تھا۔ ابوسفیان کی بیٹی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کی مہم میں پیش پیش تھی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں اور ان کے دروازے پر کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ اس مذموم فعل پر قرآن میں سورہ لہب نازل ہوئی۔ ام جمیل کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی اور اس کے شوہر کی مذمت میں آیات نازل ہوئی ہیں تو وہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کرتی ہوئی خانہ کعبہ پہنچ گئی۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے جو وہ سنگ باری کے لئے لائی تھی۔

سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کے ہمراہ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی موجود تھے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئی اور پوچھا کہ تمھارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے۔ اگر میں نے اس کو ڈھونڈ لیا تو یہ پتھر اس کے منہ پر دے ماروں گی۔ اس شور شرابے کے بعد وہ چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام سے دریافت کیا کہ کیا وہ آپ کو دیکھ نہیں رہی تھی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب دیا کہ اللہ نے اس کو وقتی طور پر اندھا کردیا تھا۔

امیہ بن خلف ابولہب کی ٹیم کا رکن تھا۔ وہ جب بھی سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھتا لعن طعن کرتا اور مغلظات بکتا تھا۔ قرآن پاک کی سورۃ ھمزہ کی پہلی آیت اسی سیاہ بخت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ترجمہ:

"لعن طعن اور برائیاں کرنے والے کے لئے تباہی ہے۔"

اخنس بن شریق ثقفی بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ستانے والوں میں تھا۔ قرآن نے سورۃ القلم میں اس کی خباثتیں گنوائی ہیں۔

ترجمہ:

"اور کہا نہ مان کسی قسم کھانے والے کا بے قدر۔ طعنے دیتا چغلی لیے پھرتا، بھلے کام سے روکتا۔ حد سے بڑھتا گنہگار۔ اجڈ، اس سب کے پیچھے بدنام۔"

(آیت ۱۰ - ۱۳)

کفار اور رفقائے محمدؐ

سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف کفار مکہ کی کارستانیاں اپنے عروج پر تھیں باوجود اس کے کہ آپ کے اعلیٰ کردار اور کریمانہ اخلاق کے مشرکین معترف تھے اور آپ کے معزز چچا ابوطالب کی حمایت و حفاظت آپؐ کو حاصل تھی۔ دیگر مسلمانوں خصوصاً کمزور افراد کی ایذاء رسانی کی کاروائیوں کی تفصیل کچھ زیادہ ہی سنگین اور تلخ ہے۔

ابوجہل نے یہ وطیرہ اپنا رکھا تھا کہ جب کسی معزز اور طاقتور آدمی کے مسلمان ہونے کی خبر سنتا تو اسے بُرا بھلا کہتا۔ ذلیل و رسوا کرتا اور مال و جاہ کو سخت خسارے سے دوچار کرنے کی دھمکیاں دیتا اور اگر کوئی کمزور آدمی مسلمان ہوتا تو اسے مارتا اور دوسروں کو بھی برانگیختہ کرتا۔

حضرت عثمان بن عفانؓ جب مسلمان ہوئے تو ان کا چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا تھا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی بڑے نازو نعم میں پلے تھے۔

ان کے قبولِ اسلام کی خبر جب ان کے گھر والوں کو ملی تو گھر والوں نے ان کا دانہ پانی بند کردیا اور انہیں گھر سے نکال دیا۔ حالات کی شدت سے دوچار ہوئے تو کھال اس طرح ادھڑ گئی جیسے سانپ کینچلی چھوڑتا ہے۔

حضرت عمار بن یاسرؓ بنو مخزوم کے غلام تھے۔ انہوں نے اور ان کے والدین نے اسلام قبول کیا تو کفار نے اس قدر ظلم کیا کہ وہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سخت دھوپ کے وقت انہیں پتھریلی زمین پر لٹا کر سینے پر سرخ پتھر رکھ دیتے تھے اور کبھی پانی میں ڈبویا جاتا۔ مشرکین ان سے مطالبہ کرتے کہ جب تک محمدؐ کو برا بھلا نہیں کہو گے یا لات و عزیٰ کے بارے میں کلمہ خیر نہ کہو گے ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمارؓ ان کی بات ماننے پر مجبور ہوگئے اور روتے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

ترجمہ:

"جو کوئی منکر ہو اللہ سے یقین لائے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی اور اس کا دل برقرار رہے ایمان پر، لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر غضب ہے اللہ کا اور ان کو بُری مار ہے۔" (النحل - ۱۰۶)

حضرت عمارؓ نے اسی ظلم و ستم کے نتیجہ میں شہادت پائی۔
ان کی والدہ حضرت سمیہؓ اسلام کی پہلی شہید خاتون تھیں جن کو ابوجہل نے نیزہ مار کر شہید کردیا تھا۔

حضرت خباب بن ارت امِ انمار کے غلام تھے۔ ان کی مالکہ قبیلہ خزاء سے تعلق رکھتی تھی۔ قبیلہ والوں نے حضرت خباب کو سزا دینے کا یہ طریقہ استعمال کیا کہ دھکتے ہوئے انگاروں پر لٹاکر ان کے اوپر پتھر رکھ دیتے تھے۔ ان کے بال نوچے جاتے اور گردن تکلیف دہ حد تک مروڑتے تھے۔

حضرت فکیہہ جن کا نام افلح تھا، بنی عبد الدار کے غلام تھے۔ ان کے پاؤں رسی سے باندھ دیئے جاتے اور زمین پر گھسیٹا جاتا۔

حضرت عمرؓ قبیلہ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلہ کے خانوادہ بنی مؤمل کی خادمہ مسلمان ہوگئیں تو حضرت عمرؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہیں اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے خود تھک جاتے اور کہتے تھے کہ میں نے تجھے تھک جانے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

مشرکین بعض صحابہ کو اونٹ اور گائے کی کچی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے۔ بعض صحابہ کو لوہے کی زرہ

پہنا کر جلتے ہوئے انگاروں یا پتھر پر لٹا دیتے تھے۔

پہلے غلام جو حضرت زیدؓ کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے وہ حضرت بلال حبشیؓ تھے۔ جزیرۃ العرب میں تین چیزیں کسی انسان کے لیے مکمل تیرہ بختی کی علامت سمجھی جاتی تھیں ایک اجنبی یا بیگانہ ہونا، دوسرے غلام ہونا اور تیسرے سیاہ فام ہونا اور حضرت بلالؓ میں یہ تینوں چیزیں موجود تھیں۔ جب ان کے مالک کو یہ اطلاع ملی کہ بلال مسلمان ہوگئے ہیں تو وہ انہیں مکہ سے باہر لے گیا اور ان کے کپڑے اتروا کر انہیں دہکتے ہوئے سورج کے نیچے تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا۔ ان کے ہاتھ پیر باندھ دیئے اور سینہ پر بھاری پتھر رکھوا دیا اور ان سے کہا کہ یا تو اسلام کو چھوڑ دے یا تپتی ہوئی ریت پر پڑا رہ یہاں تک کہ تیری جان نکل جائے۔ حضرت بلالؓ یہ جانتے تھے کہ ان کا مالک اپنے کئے پر عمل کرے گا اور ان کے ہاتھ پیر نہیں کھولے گا لیکن انہوں نے دینِ حنیف سے دستبردار ہونے کے بجائے موت سے ہم آغوش ہونا گوارا کرلیا اور مرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ لیکن اسی دوران عبد اللہ بن عثمان جو حضرت ابوبکرؓ کے نام سے مشہور تھے حضرت بلالؓ کو نجات دلانے کی غرض سے ان کے مالک کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے حضرت بلالؓ

کو خریدنے کی تجویز پیش کردی۔ حضرت بلالؓ کے مالک نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اس کے غلام کو بہت مناسب قیمت پر خرید رہے ہیں تو اس نے انہیں بیچنے پر رضامندی ظاہر کردی اور حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو خریدنے کے بعد آزاد کردیا۔

دو عورتیں جو حضرت عمرؓ کی خادمہ تھیں حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئیں۔ ان میں سے ایک کا نام "لبینہ" اور دوسری کا نام "زنیرہ" تھا۔ عمر حضرت بلال کے مالک کی طرح شقی القلب نہ تھے کہ ان کنیزوں کو بندھوا کر تپتی ہوئی زمین پر پھینک دیں بلکہ انہوں نے ان دونوں کو کوڑوں کی سزا کا مستحق سمجھا اور ان سے کہا کہ میں اس وقت تک تم پر کوڑے برساتا رہوں گا جب تک دو باتوں میں سے ایک پوری نہیں ہوگی۔ تم محمدؐ کے دین کو چھوڑ دو یا تمہاری جان نکل جائے۔ اگرچہ ان دونوں کنیزوں کا بدن لہولہان ہوچکا تھا لیکن انہوں نے محمدؐ کے دین کو چھوڑنے سے انکار کردیا۔ یہاں ایک بار پھر حضرت ابوبکرؓ ان کنیزوں کی مدد کو آگے بڑھے اور عمر سے کہا کہ وہ ان کنیزوں کو ان کے ہاتھ فروخت کردیں۔ عمر نے دونوں کنیزوں کو حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں فروخت کردیا اور انہوں نے دونوں کو آزاد کردیا۔

چوتھی عورت جو اسلام لائی وہ صحرا میں رہنے والی ایک خاتون تھی جس کا نام غزیہؓ تھا۔ غزیہ کنیز نہیں تھی۔ وہ مکہ آنے کے بعد مسلمان ہوگئی اور پھر کھلے عام لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگی۔ صحرا نشین عورتیں بھی بدوی مردوں کی طرح بہت بے باک اور نڈر ہوتی تھیں لہذا وہ خاتون بھی اہلِ قریش کے ڈرانے دھمکانے سے قطعاً خوفزدہ نہ ہوئی۔ قبیلہ قریش کے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ حضرت غزیہؓ کسی طور بھی اسلام کی تبلیغ سے دستبردار نہیں ہوتیں تو انہیں اغوا کرکے مکہ سے باہر جانے والے ایک قافلے کے پاس لے گئے اور ایک اونٹ پر بٹھا کر مضبوطی سے رسیوں سے باندھ دیا اور قافلہ والوں کے سپرد کرتے ہوئے بولے کہ اس عورت کو پانی اور غذا بالکل نہ دینا تاکہ یہ بھوک اور پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جائے اور جب تمہیں یہ یقین حاصل ہوجائے کہ یہ مرچکی ہے تو اس کی لاش کو اونٹ سے اتار کر صحرا میں پھینک دینا تاکہ صحرائی جانوروں کا لقمہ بن جائے اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت غزیہؓ کہتی ہیں کہ تین دن بھوک اور پیاس نے مجھے بالکل نڈھال کردیا تھا۔ لیکن چوتھے دن مجھے اپنے ہونٹوں پر ٹھنڈے پانی کی نمی محسوس ہوئی اور میں نے بے اختیار

ہوکر پانی پینا شروع کردیا اور اتنا پیا کہ میری پیاس بجھ گئی۔ اگلے دن قافلہ والوں نے جو یہ تصور کررہے تھے کہ میں بھوک اور پیاس کی شدت سے ہلاک ہوچکی ہوں جب مجھے ہشاش بشاش دیکھا تو انہیں حیرت ہوئی اور جب میں نے انہیں گذشتہ رات کا واقعہ سنایا تو وہ اپنے کئے پر نادم ہوئے اور انہوں نے میری رسیاں کھول دیں اور مجھ سے بڑی عزت و احترام کے ساتھ پیش آئے۔

ابوجہل کی ایک کنیز جس کا نام سمیہؓ تھا مسلمان ہوگئی تو ابوجہل نے انہیں بلایا اور یہ حکم دیا کہ فوری طور پر نئے دین سے دستبردار ہوجاؤ۔ سمیہؓ نے جواب میں کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو نہیں چھوڑ سکتی ابوجہل نے طیش میں آکر اپنی ناتواں کنیز پر تازیانے برسانے شروع کردیئے اور انہیں اتنا مارا کہ وہ نڈھال ہوکر زمین پر گر گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ اس واقعہ سے مطلع ہوگئے وہ ابوجہل کے گھر پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ سمیہؓ بے جان زمین پر پڑی ہوئی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ابوجہل سے کہا کہ میں اس کنیز کو خریدنا چاہتا ہوں ابوجہل بولا کہ میں اسے نہیں بیچنا چاہتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اے ابوجہل اگر تو سمیہؓ کو فروخت کرنے پر رضامند ہوجائے تو میں

تجھے ایک سودینار ادا کرنے پر تیار ہوں۔ ابوجہل غرایا کہ میں اسے نہیں بیچوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے قیمت بڑھا دی اور بولے کہ میں تمہیں سمیہ کے بدلے ڈیڑھ سودینار دینے کو تیار ہوں۔ لیکن ابوجہل کی ضد برقرار رہی اور وہ بولا کہ میں سمیہ کو فروخت نہیں کروں گا۔ حضرت ابوبکرؓ قیمت بڑھاتے رہے لیکن ہر بار ابوجہل کا جواب وہی تھا کہ اپنی لونڈی کا سودا نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو اپنی ساری دولت اسلام کی راہ پر خرچ کرچکے تھے جب یہ دیکھا کہ ابوجہل کسی طور بھی سمیہؓ کو فروخت کرنے پر تیار نہیں تو انہوں نے ایک نئی تجویز پیش کی اور ابوجہل سے کہا کہ اگر تو سمیہ کو میرے ہاتھوں فروخت کرنے پر راضی ہوجائے تو میں تجھے "ابلِ قاضیہ" دینے کو تیار ہوں۔ "ابلِ قاضیہ" بادیہ نشین عربوں کی مخصوص اصطلاح کا نام تھا۔ اس کا اطلاق دراصل ان اونٹوں پر ہوتا تھا جو کسی کے قتل کے بدلے میں اس کے لواحقین کو دیئے جاتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں "ابلِ قاضیہ" اس خون بہا کا نام تھا جو مقتول کے ورثاء کو ادا کیا جاتا تھا اور اس عنوان سے منہ مانگی رقم طلب کی جاسکتی تھی۔ ابوجہل کے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اتنی کدورت اور عداوت موجود تھی کہ وہ منہ مانگی قیمت پر

بھی اپنی کنیز کو حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں فروخت کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس دن تک چھ بردوں کو خرید کر آزاد کردیا تھا جن میں دو مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ لیکن اس بار وہ سمیہؓ کو رہائی دلانے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ جب قریش کی عورتوں نے یہ سنا کہ سمیہ ہر روز ابوجہل کے گھر میں تازیانے کھاتی ہے لیکن اسلام کو چھوڑنے پر تیار نہیں تو وہ ابوجہل کے پاس سفارش لے کر گئیں اور اس سے درخواست کی کہ وہ اس عورت کو تازیانے مارنا بند کردے جس نے قریش کی بے شمار عورتوں کی مدد کی ہے۔ لیکن ابوجہل نے ان کی درخواست کو بھی ٹھکرادیا۔ ابوجہل نے سمیہؓ پر اتنے کوڑے برسائے کہ ان کا سارا بدن خون ہوگیا اور ان میں ہلنے جلنے کی سکت نہ رہی لیکن وہ اس کے باوجود یہی کہتی رہیں کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے روگردانی نہیں کرسکتی۔ جب ابوجہل اپنی کنیز کے ایمان کو بدلنے میں ناکام ہوگیا تو اسے قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور ایک دن حضرت سمیہؓ کو خانہ کعبہ کے سامنے لاکر کھڑا کردیا اور جب اہلِ مکہ وہاں جمع ہوگئے تو ابوجہل نے اتمامِ حجت کے طور پر حضرت سمیہؓ سے پوچھا کہ آیا تو اب بھی محمدؐ کے دین کو چھوڑنے پر تیار نہیں؟ حضرت سمیہؓ نے

جواب دیا "میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔" ابوجہل نے جھلا کر کہا پھر میں تجھے یہیں اور اس ہی وقت موت کے گھاٹ اتاردوں گا۔ اس کے بعد ابوجہل نے اہل مکہ کی آنکھوں کے سامنے اپنا نیزہ اتنی قوت سے حضرت سمیہؓ کے سینے میں گھونپ دیا کہ نیزے کا سرا اس ناتواں عورت کی پیٹھ سے باہر نکل آیا۔ حضرت سمیہؓ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی پہلی خاتون تھیں۔ روایت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت سمیہؓ کی رہائی کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کی جدوجہد سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے ابوبکرؓ کے حق میں دعا کی کہ "خدا تیرے چہرے کی درخشندگی کو برقرار رکھے۔"

سمیہؓ کے قتل کے بعد قریش کے سرکردہ لوگوں میں سے چار افراد نے جن میں ابوسفیان، ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل بھی شامل تھی، یہ پابندی لگادی کہ مکہ کا رہنے والا کوئی شخص آج کے بعد اپنا کوئی غلام یا کنیز ابوبکرؓ کے ہاتھوں فروخت نہیں کرے گا۔ وہ لوگ یہ جان چکے تھے کہ اسلام کو غریب طبقہ اور خاص طور پر غلاموں میں تیزی سے مقبولیت حاصل ہورہی ہے اور جو غلام بھی مسلمان ہوجاتا ہے ابوبکرؓ اسے خرید کر آزاد کردیتے ہیں۔

کچھ صاحبِ حیثیت لوگ جن میں عثمان بن عفان جو عبد المطلب کے بھتیجے تھے، عبد الرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاصؓ حضرت آمنہؓ کے بھتیجے اور طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن عمروؓ شامل تھے جب مسلمان ہوگئے اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو قبیلہ قریش میں وحشت اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ نومسلمانوں کا شمار مکہ کے جانے پہچانے اور ممتاز لوگوں میں ہوتا تھا۔ لہذا قریش نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا پہنچانے اور پریشان کرنے کے لئے نئے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کردیئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ جانے کے لئے جب بھی اپنے گھر سے باہر نکلتے تو آپ کی جان خطرے میں ہوتی تھی۔ اوباش لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ میں کمین لگا کر بیٹھ جاتے اور جیسے ہی آپؐ خانہ کعبہ جانے کے لئے اپنے گھر سے باہر قدم نکالتے یا کہیں اور جانے کا ارادہ کرتے تو وہ لوگ ان پر پتھر برساتے اور ان کے لباس کو گندگی سے آلودہ کردیتے تھے۔ قبیلہ قریش کے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دشمنی میں اتنے آگے نکل گئے کہ انہوں نے خانہ کعبہ کا احترام بھی پس پشت ڈال دیا۔ دونوں مرتبہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر

قاتلانہ حملہ ہوا وہ خانہ کعبہ میں ہوا اور پہلا مسلمان مرد جو اسلام کی راہ میں شہید ہوا وہ بھی خانہ کعبہ ہی میں قتل کیا گیا۔

ایک دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ سے اپنے گھر کی طرف لوٹ رہے تھے تو قریش کے افراد نے اس شدت سے ان کے اوپر پتھراؤ کیا کہ جب وہ گھر پہنچے تو نڈھال ہوکر گر پڑے اور شدید زخمی ہوجانے کے باعث اگلے دن خانہ کعبہ نہ جاسکے۔ اس روز جب دوسرے مسلمان عبادت کی غرض سے خانہ کعبہ پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ آج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ نہیں آسکتے لہذا انہوں نے اپنے طور سے عبادت شروع کردی اور جب وہ لوگ سجدے میں گئے تو ان پر اچانک حملہ کردیا گیا۔ اس حملے کے نتیجے میں کئی مسلمان شدید زخمی ہوگئے اور حضرت حارثؓ جو حضرت خدیجہؓ کے فرزند اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوتیلے بیٹے تھے بیت اللہ میں شہید کردیئے گئے۔ اس واقعہ کے بعد قبیلہ قریش کے افراد شب و روز خانہ کعبہ کی نگرانی کرنے لگے تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے پیروکاروں کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے روک سکیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ دیکھا کہ اب وہ اپنے اصحاب کے ساتھ خانہ کعبہ میں عبادت نہیں کرسکتے تو انہوں نے

مکہ سے باہر ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جو اطراف کی زمینوں سے گہرائی میں تھی۔ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دن میں دوبار نماز قائم کرنے کے لئے حضور وہاں جانے لگے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مخالفت کرنے والوں میں سے ایک شخص ایسا تھا جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے انتہا درجے کی دشمنی رکھتا تھا۔ وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا رضائی بھائی ابوسفیان تھا۔ ابوسفیان کا کہنا تھا کہ قریش کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے جو خطرہ لاحق ہے وہ صرف اسی صورت میں ٹل سکتا ہے کہ انہیں جان سے مار دیا جائے۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ جلیل القدر صحابی اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جان نثار ساتھی تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا۔ یہ قبیلہ مکہ کے شمال میں سکونت پذیر تھا۔ بادیہ نشین عربوں کی رسم کے مطابق سال میں چار مہینے کے لئے غارتگری اور ڈکیتی حرام ہوتی تھی اور ان مہینوں کو ماہِ حرام کہتے تھے۔ اسی طرح مکہ کی زیارت پر جانے والے افراد پر حملہ کرنے کی ممانعت بھی تھی لیکن قبیلہ غفار کے لوگ مذکورہ رسومات اور قوانین کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ وہ ماہِ حرام میں قافلوں پر لوٹ مار کے غرض سے حملہ کرتے اور مکہ کی زیارت پر جانے والوں کو بھی معاف

نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ذیقعد کے مہینے میں قبیلہ والوں نے اپنی حدود سے گزرنے والے ایک قافلے پر حملہ کرکے قافلہ کا مال اسباب لوٹ لیا اور قافلے میں شامل مرد، عورتوں اور بچوں کو قتل کردیا۔ حضرت ابوذر غفاری جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہیں شدید ندامت اور پریشانی کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنا قبیلہ چھوڑ دیا۔ کئی ماہ صحرا نوردی کرنے کے بعد مکہ پہنچ گئے۔ یہاں ابوذرؓ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نام سنا اور یہ جاناکہ وہ لوگوں کو یکتا خدا کی طرف بلاتے ہیں اور انہیں برے کاموں سے پرہیز کرنے اور شرک کو ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ابوذرؓ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے ملنے کا فیصلہ کرلیا اور ایک راہ گیر سے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا گھر کہاں ہے۔ اس شخص نے تعجب خیز نگاہوں سے ابوذر کی طرف دیکھا اور پھر اونچی آواز سے چلانے لگا۔ ”اے لوگو! ادھر آؤ اسے پکڑو اور مار ڈالو کیونکہ یہ ایک مسلمان ہے جو آج ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔“ پلک جھپکتے ہی لوگوں نے ابوذرؓ پر حملہ کردیا اور وہ بوکھلا کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن قریش نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور ان پر پتھروں کی بارش کردی۔ اتنے پتھر برسائے گئے کہ وہ نڈھال ہوکر زمین پر

گر گئے اور مکہ والوں نے مردہ سمجھ کر انہیں وہیں چھوڑ دیا۔ کسی مسلمان کے سنگ سار کئے جانے کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو مل گئی تھی لہذا وہ رات کی تاریکی میں آئے اور ایک دوسرے مسلمان کی مدد سے ابوذرؓ کو اٹھا کر لے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ ابوذرؓ مسلمان نہیں بلکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے دن ابوذرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی۔ بعد میں حضرت ابوذرؓ کا شمار اسلام کے نامور مسلمانوں میں ہونے لگا اور انہوں نے اپنے پورے قبیلے کو مسلمان کرلیا۔ ان کا قبیلہ جو صرف لوٹ مار کے ذریعے زندگی گزارتا تھا اپنے نفرت انگیز اعمال سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہوگیا۔ اس واقعہ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ مکہ کے باشندے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی میں اتنے بڑھ گئے تھے کہ اگر کوئی ان کے گھر کا پتہ پوچھتا تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ پتہ پوچھنے والا یا تو کوئی مسلمان ہے یا پھر مسلمان ہونا چاہتا ہے لہذا اس پر سنگ باری شروع کردیتے تھے۔

پاک باطن لوگ

ایک دن جب کچھ لوگ ابوجہل کے اکسانے پر سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف پتھر پھینک رہے تھے تو اس منظر کو دیکھنے والا ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا "حمزہ" کے پاس پہنچا جو اپنے وقت کے مشہور پہلوان سمجھے جاتے تھے۔ حمزہؓ شکار سے واپس آرہے تھے۔ اس شخص نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے حمزہ! تیری غیرت اور حمیت یہ کیونکر گوارہ کرتی ہے کہ لوگ تیرے بھتیجے کو سنگسار کریں برا بھلا کہیں اور تو جو دلیروں اور بہادروں میں شمار ہوتا ہے اس کی کوئی مدد نہ کرے؟" حضرت حمزہؓ کو اس دن تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن جب انہوں نے یہ سنا کہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتھروں سے مارتے ہیں انہیں زدو کوب کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشنام بھی دیتے ہیں تو ان کی حالت دگرگوں ہوگئی اور انہوں نے اس شخص سے پوچھا کہ

میرے بھتیجے کو جو دشنام دیئے جاتے ہیں وہ کیا ہیں؟ اس شخص نے جب چند ایسے الفاظ کو دہرایا جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ان کے لئے استعمال کرتے تھے تو حضرت حمزہؓ کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہوگیا۔

عرب زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو انتہائی اہمیت اور وقعت دیتے تھے۔ عرب قبائل میں دشنام گوئی کرتے وقت کسی قریبی رشتہ دار کا نام لینا ایک ناقابلِ معافی جرم سمجھا جاتا تھا۔ کسی قبیلے کے کسی بھی فرد کو برا بھلا کہنا ایسا تھا جیسے پورے قبیلے کو توہین کا نشانہ بنایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی قبیلے کے تمام ارکان آپس میں خون کے رشتے میں منسلک ہوتے تھے۔ حضرت حمزہ اسی حالت میں ابوجہل کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پتھر پھینکنے والوں اور انہیں دشنام دینے والوں کا سرغنہ ابوجہل ہی ہے۔ وہاں پہنچ کر ابوجہل کی بری طرح پٹائی کردی اور کہا "اے ابوجہل! تو سمجھتا ہے کہ محمدؐ بے آسرا ہے اور اس کا کوئی نہیں اور اسی لئے تو اس پر پتھر برساتا ہے اور اسے دشنام دیتا ہے؟ لیکن اب جان لے کہ میں آج سے محمدؐ کے دین میں داخل ہوگیا ہوں اور آج کے بعد جو کوئی بھی محمدؐ کو دشنام دے گا تو

اس کا واسطہ مجھ سے ہوگا۔"

حضرت حمزہؓ کا مسلمان ہوجانا اسلام کے لئے بڑا خوش آئند تھا کیونکہ حضرت حمزہؓ کا شمار مکہ کے نامور دلیروں میں ہوتا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہوجانے کے بعد کچھ اور لوگ بھی مسلمان ہوگئے اور یوں مسلمانوں کی تعداد تیس سے زیادہ ہوگئی۔ مکہ کے رہنے والے اور خاص طور پر قبیلہ قریش کے افراد اسلام کو پھیلتا دیکھ کر مزید تشویش میں مبتلا ہوگئے اور انہوں نے "دارالندوۃ" میں جمع ہوکر مشورہ کرنا شروع کردیا کہ محمدؐ کے دین کو کس طرح نابود کیا جاسکتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اپنے مذاکرات سے کوئی خاص نتیجہ اخذ نہیں کرسکے۔ جب دارالندوۃ کا اجلاس ختم ہوا تو عمر بن خطاب نے یہ اعلان کردیا کہ میں خود ہی محمدؐ کو قتل کرکے اہل مکہ کو اس مشکل سے نجات دلادوں گا۔ راستے میں نعیم بن عبد اللہؓ نے عمر کو تیز تیز قدموں سے جاتے دیکھا تو پوچھا، اے عمر! کہاں جارہے ہو؟ عمر نے کہا، "کسی نے ہمارے اجداد کی اتنی توہین نہیں کی جتنی محمدؐ کرتا ہے۔ اس شخص نے اپنے نئے دین کی وجہ سے تمام اہلِ مکہ کا چین و آرام ختم کردیا ہے۔ ہمارے بزرگوں کے دین کو باطل قرار دیتا ہے، کہتا ہے کہ ہمیں اپنے

خداؤں کی پرستش چھوڑ دینی چاہیئے۔ میں جارہا ہوں کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دوں"۔ نعیمؓ نے کہا یا عمر! تمہارے دو قریبی عزیز بھی مسلمان ہیں۔ ان میں سے ایک تمہاری بہن فاطمہ اور دوسرا اس کا شوہر سعید بن زید ہے۔ جب عمر گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی بہن فاطمہؓ ان کے شوہر سعید بن زیدؓ اور ایک دوسرے مسلمان حضرت خبابؓ قرآن کی تلاوت کررہے ہیں۔ عمر غصہ میں لال بھبوک ہوگئے اور اپنی بہن اور ان کے خاوند پر اتنے کوڑے برسائے کہ جسم میں جگہ جگہ سے خون بہنے لگا۔ عمر نے اپنی بہن کو حکم دیا کہ محمدؐ کا دین چھوڑ دے فاطمہؓ نے جواب دیا کہ اگر تم مجھ پر اتنے کوڑے برساؤ کہ میری جان نکل جائے تو بھی میں محمدؐ کے دین کو نہیں چھوڑوں گی اور اگر تم بھی قرآن کی تلاوت کرو تو جان جاؤ گے کہ یہ دین سچا اور برحق ہے۔ عمرؓ نے اپنی بہن کے خاوند کو کہا کہ وہ قرآن کو سنائیں۔ سورۃ طٰہٰ کی چند آیات تلاوت کی گئیں۔

ترجمہ:

طٰہٰ۔

اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو
محنت میں پڑے۔

مگر نصیحت کے واسطے جس کو ڈر ہے۔

اتارا ہے اس کا جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے۔

وہ بڑی مہر والا تخت کے اوپر قائم ہوا۔

اس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اور ان
کے بیچ اور نیچے گیلی زمین کے۔

اور اگر تو بات کہے پکار کر تو اس کو خبر ہے چھپے کی
اور اس سے چھپے کی۔

اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، اس کے
ہیں سب نام خاصے۔

اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی۔

جب اس نے دیکھی ایک آگ، تو کہا اپنے گھر والوں
کو، ٹھہرو! میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں
تم پاس اس میں سے سلگا کر، یا پاؤں اس آگ پر راہ
کا پتا۔

پھر جب پہنچا آگ پاس، آواز آئی اے موسیٰ!

میں ہوں تیرا رب سو اتار اپنی پاپوشیں تو ہے پاک
میدانِ طویٰ میں۔

اور جس نے تجھے پسند کیا سو تو سنتا رہ جو حکم ہو۔

میں جو ہوں، میں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوا
میرے سو میری بندگی کر، اور نماز قائم رکھ میری یاد کو۔
(آیت ۱ - ۱۴)

حضرت عمرؓ قرآن سن کر غور وفکر میں ڈوب گئے۔ پھر گویا ہوئے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت خبابؓ جو اس مار پیٹ کے دوران چھپ گئے تھے، سامنے آگئے اور کہنے لگے، اے عمر! خوش ہو جاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی ہے۔ سیدنا علیہ صلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی:

"اے قادر مطلق! میرا کام کوشش کرنا اور کامیابی دینا تیرا کام ہے۔ اسلام کے دو بدترین دشمنوں عمر بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب میں سے کسی یک کو نورِ ایمان عطا فرما کہ کمزور مسلمانوں کو ہمت حاصل ہو۔"

دارارقم[1] کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک صحابیؓ نے جھانک کر دیکھا تو حضرت عمر بن خطبؓ تلوار حائل کئے نظر آئے۔

[1] دارارقم کوہِ صفا پر واقع ارقم بن ابی الارقم مخزومی کا مکان تھا۔ جسے نبوت کے پانچویں سال میں سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے اجتماع اور تبلیغ کی سرگرمیوں کے مرکز کے طور پر استعمال کیا۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی گئی۔ سیدنا امیر حمزہؓ نے جو تین دن قبل ایمان لائے تھے کہا "دروازہ کھول دو اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو ہم اسے خیر عطا کریں گے اور اگر کوئی بُرا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کردیں گے۔

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کی خوشی میں صحابہ کرامؓ نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مسجد الحرام میں موجود لوگوں نے بھی یہ صدائے حق سن لی۔

حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو دو صفوں میں ترتیب دیا ایک میں حضرت حمزہؓ اور ایک میں حضرت عمرؓ تھے۔ سب سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر سایہ مسجد الحرام کی جانب روانہ ہوئے۔ عمر و حمزہ کے جلو میں پیغمبر اسلامؐ اور ان کے ساتھیوں کو جرأت مندی سے آتا دیکھ کر قریش مکہ میں کہرام مچ گیا۔ اس موقع پر سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمرؓ کو "فاروق" کے لقب سے نوازا۔

حضرت عمرؓ اس کے بعد دشمنِ اسلام ابوجہل کے مکان پر پہنچ گئے۔ ابوجہل باہر آیا اور خوش خبری سننے کے اشتیاق میں کہنے لگا۔ "خوش آمدید، خوش آمدید کیسے آنا ہوا؟" حضرت عمرؓ نے کہا، میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے

رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاچکا ہوں، اور محمد الرسولؐ جو کچھ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کرچکا ہوں۔ ابوجہل کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بولا، اللہ تیرا برا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی بُرا کرے۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر جمیل بن معمر جمحی کودی جو کسی بات کا ڈھنڈورہ پیٹنے میں ممتاز تھا تو اس نے چیخ چیخ کر لوگوں کو بتانا شروع کردیا کہ خطاب کا بیٹا بے دین ہوگیا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ بولے یہ جھوٹ بولتا ہے میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ لوگ اگرچہ حضرت عمرؓ کی عزت و قوت، شرف اور زورِ بازو سے خائف رہتے تھے۔ لیکن اس وقت بہت بڑی تعداد نے مل کر انہیں مارنا پیٹنا شروع کردیا۔ حضرت عمرؓ بھی لوگوں کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سورج سر پر آگیا اور حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا جو بن پڑے کرلو۔ خدا کی قسم اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو پھر مکہ میں تم رہتے یا ہم رہتے۔

حضرت عمرؓ کے خلاف انفرادی سطح پر کوئی اقدام اٹھانے سے مشرکین گھبراتے تھے۔ وہ جمِ غفیر کی صورت میں اکٹھے

ہوئے اور حضرت عمرؓ کے گھر پر ہلہ بول دیا تاکہ انہیں جان سے مار ڈالیں۔ اس دوران قبیلہ سہم جو حضرت عمرؓ کا حلیف قبیلہ تھا، سے تعلق رکھنے والے ابو عمرو عاص بن وائل سہمی آگئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے قبولِ اسلام اور قوم کے دشمن بن جانے کا تذکرہ کیا۔ ابو عمرو بن عاص یہ سن کر باہر نکلے اور لوگوں کی بھیڑ سے پوچھا کیا ارادہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ خطاب کا بیٹا مطلوب ہے جو بے دین ہوگیا ہے۔ ابوعمرو نے کہا کہ تم لوگ اس تک نہیں پہنچ سکتے وہ میری پناہ میں ہے۔ لوگ یہ سن کر مایوس ہوئے اور واپس چلے گئے۔

نجاشی بادشاہ کا دربار

اسلام کے ابتدائی دور میں دو ہستیاں ایسی ہیں جنہوں نے مالی لحاظ سے بہت قربانیاں دیں ان میں سے ایک حضرت خدیجہؓ اور دوسرے حضرت ابوبکرؓ تھے۔ اسلام سے پہلے یہ دونوں افراد مکہ کے تونگروں میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن جب یہ دونوں اس دنیا سے رخصت ہوئے تو بالکل تہی دست تھے کیونکہ انہوں نے اپنی ساری دولت اسلام کی راہ میں قربان کردی تھی۔ جب حضرت عمرؓ بن خطاب مسلمان ہوئے تو انہوں نے اپنے اہل خاندان کو دعوت دی ان کے قبیلہ "بنی عدی" کے متعدد افراد بھی مسلمان ہوگئے۔ قریش نے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتے دیکھا تو انہیں بہت تشویش ہوئی۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت کرتے ہیں۔ لہذا وہ انہیں گذشتہ کی طرح گزند بھی نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اسی بات کے پیش نظر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ (Social Boycott) کرکے ان پر عرصۂ حیات

تنگ کردیا جائے۔ کفار نے یہ پابندی لگادی کہ مسلمانوں سے نہ تو کوئی چیز خریدی جائے اور نہ ہی انہیں کوئی چیز بیچی جائے اور کوئی انہیں لڑکی دے نہ ہی ان سے لڑکی لے۔ مکہ کی سرزمین میں جہاں لوگوں کا ذریعہ معاش تجارت اور سوداگری تھا، یہ پابندی مسلمانوں کی زندگی کو مفلوج کرنے لگی کچھ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ گوناگوں مصائب اور مشکلات کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اسی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کیا کہ وہ خود مکہ میں ٹھہرے رہیں لیکن مسلمانوں کو ایک دوسرے ملک حبشہ کی طرف روانہ کردیں۔ حبشہ کا حکمران کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کو ایذا نہیں پہنچاتا تھا وہاں مذہب کی مکمل آزادی تھی۔ جن لوگوں نے پہلی مرتبہ مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کی بیوی اسماءؓ۔ ابوطالب کے دو بیٹے تھے ایک حضرت علیؓ جن کی پرورش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نگرانی میں کی اور دوسرے حضرت جعفرؓ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا عباسؓ نے اپنے فرزندی میں لے لیا تھا۔

۲۔ عثمانؓ بن عفان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد اور

حضرت رقیہؓ کے شوہر تھے۔ حضرت رقیہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی تھیں۔ جب ابولہب کے بیٹے نے انہیں طلاق دی تو وہ حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آگئیں۔

۳۔ زبیر بن العوام، عبداللہ بن مسعود، عبد الرحمٰن بن عوف، ابوحذیفہ سہلہ دختر سہیل بن عمر، عامر بن ربیعہ اور ان کی زوجہ لیلٰی بنت ابوخیثہ، حاطب بن عمر، سہیل بن بیضا، معصب بن عمر، ابو مسلمہ اور ان کی بیوی اُم سلمہ بنتِ امیہ، عثمان بن مظعون۔

یہ لوگ چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں مکہ سے نکل کر سمندر کے کنارے پہنچے اور کشتی پر سوار ہوکر حبشہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہ مسلمانوں کا پہلا دستہ تھا جو حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب مسلمان حبشہ کے دارالخلافہ پہنچے تو حضرت جعفرؓ کی زوجہ حضرت اسماءؓ نے اپنی آمد کے پہلے ہی دن ایک لڑکے کو جنم دیا۔ اسی دن حبشہ کے حکمران نجاشی کے یہاں بھی لڑکے کی ولادت ہوئی۔ اسماءؓ نے رضاکارانہ طور پر بادشاہ کے بیٹے کو دودھ پلانے کی تجویز پیش کی جو منظور ہوگئی۔ اس طرح عربوں کے رواج کے مطابق حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کا بیٹا اور حبشہ کے بادشاہ کا فرزند آپس میں رضاعی بھائی بن گئے۔

ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی پہلی جماعت کے بعد دوسرے مسلمان گروہ بھی مکہ سے حبشہ کی طرف روانہ ہوگئے اور مجموعی طور پر ایک سو نو (۱۰۹) مسلمان حبشہ میں جمع ہوگئے۔ یہ سب لوگ کشتی کے ذریعے حبشہ پہنچے تھے۔ آخر الامر قریش کو یہ علم ہوگیا کہ کچھ مسلمان حبشہ کی طرف نکل گئے ہیں لہذا انہوں نے عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید نامی دو افراد کو یہ مہم سونپی کہ وہ حبشہ جائیں اور وہاں کے بادشاہ سے کہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کردے تاکہ انہیں واپس مکہ لایا جاسکے۔

کفار کے ایلچیوں نے بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر کہا، "اے حبشہ کے بادشاہ! جن لوگوں کو تونے پناہ دے رکھی ہے انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کردیا ہے۔ وہ ہمارے اجداد پر تنقید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا دین جھوٹا تھا اور ہمارے بزرگ باطل کی پیروی کرتے تھے۔ اے شاہ حبشہ! جو لوگ آج تیری پناہ میں ہیں وہ کل تیری رعیت کے دین کو بھی بدل دیں گے لہذا تیری بہتری اس ہی میں ہے کہ انہیں ہمارے سپرد کردے تاکہ ہم انہیں مکہ واپس لے جائیں۔" حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا

اور کہا یہ دو افراد مکہ سے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ خطاکار ہو لہذا تم سب کو مکہ واپس بھیج دینا چاہیے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ تمہارے اہلِ خاندان تمہاری واپسی کے منتظر ہیں۔ تم لوگ اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہو۔

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے کہا، "اے بادشاہ! ہم لوگ بت پرست تھے کوئی بُرا کام کرنے سے ہم شرمسار نہیں ہوتے تھے۔ کمزوروں اور تنگ دستوں پر ظلم روا رکھنا ہماری عادت بن چکا تھا۔ ہم اندھیروں میں بھٹک رہے تھے کہ ہمارے درمیان ایک پیغمبر محمدؐ بن عبد اللہ پیدا ہوا اور اس نے ہمیں خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کا رستہ دکھایا اور ہمیں یہ درس دیا کہ ہم پتھر سے بنی ہوئی مورتوں کی پوجا نہ کریں۔ بُرے کاموں سے توبہ کرلیں اور مسکینوں پر ظلم و ستم روا نہ رکھیں۔ ہم لوگ اس پر ایمان لے آئے۔ اے بادشاہ! یہ لوگ پتھر اور لکڑی کی بنی ہوئی مورتوں کو خدا کہتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں، معاشرے کے ناتواں لوگوں پر ستم ڈھاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے پیغمبرؐ کو ایذاء پہنچانے، پتھر مارنے اور دشنام دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔"

صورتِ حال واضح ہونے کے بعد حبشہ کے بادشاہ نے حکم دیا کہ عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کے لائے ہوئے تحائف واپس کردیئے جائیں اور قریش کے نمائندے نامراد واپس لوٹ گئے۔

نجاشی نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیمات کے بارے میں مزید دریافت کیا۔ حضرت جعفرؓ نے حبشہ کے بادشاہ اور اس کے دربار میں حاضر دوسرے لوگوں کے سامنے سورہ مریم کی آیات تلاوت کیں۔ نجاشی یہ کلام سن کر بے اختیار رو پڑا اور اس کے دربار میں موجود دوسرے لوگ بھی رونے لگے۔ نجاشی نے کہا کہ تمہارا پیغمبرؐ ایک عظیم اور سچا انسان ہے۔ تم لوگ جب تک چاہو میرے ملک میں آزادی سے رہو کوئی تمہیں اس ملک سے نہیں نکالے گا۔

ابوطالب کی گھاٹی

ابوطالب قریش کی ریشہ دوانیوں سے باخبر تھے۔ قریش انہیں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و پشت پناہی سے دست بردار ہونے پر مجبور کررہے تھے۔ ابوطالب نے اپنے جداعلی عبد المناف کے دوصاحبزادوں ہاشم اور مطلب کے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں آمادہ کیا کہ اپنے بھتیجے محمدؐ کی حمایت و حفاظت کا جو کام اب تک وہ تنہا انجام دیتے رہے ہیں سب مل کر اس کام کو انجام دیں۔

عربی حمیت کا تقاضا تھا کہ اہلِ خاندان اس بات پر راضی ہوجائیں سب افرادِ خاندان اس تجویز سے متفق ہوئے اور انہوں نے ابوطالب کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن ابوطالب کے بھائی ابولہب نے مشرکین قریش کا ساتھ دیا۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام اور قبیلہ بنی ہاشم و بنی مطلب کا محمدؐ کی حمایت کے لئے عہد و پیماں کفار کو پسند نہیں آیا۔ حبشہ کے بادشاہ نے بھی درخواست مسترد کردی تھی۔

مشرکین جمع ہوئے اور بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف عہد و پیمان کیا کہ ان سے ہر قسم کا تعلق ختم کرلیا جائے نہ ان سے خریدو فروخت کی جائے نہ ان سے شادی بیاہ کریں۔ تاوقتیکہ محمدؐ کو قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالے نہ کردیں۔

اس معاہدہ پر تمام سردارانِ قریش نے دستخط کئے اور خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کردیا۔

محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام مسلمانوں کو مکہ سے نکال دیا گیا۔ اس موقع پر بنو ہاشم نے حضرت محمد علیہ الصلوۃ والسلام کی حمایت ترک نہ کی اور وہ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ مکہ سے باہر نکل آئے۔ ان میں پیغمبر السلام سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کے وہ عزیز بھی شامل تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ابوطالب کی غیرت اور حمیت نے گوارہ نہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو بے یارو مددگار چھوڑ دیں۔

سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام اپنے اہل خاندان کے ہمراہ جس گھاٹی[1] میں پناہ گزین تھے وہ ابی طالب کی ملکیت تھی۔ جو گھاٹی

[1] قریش کے دس قبیلوں میں سے ہر قبیلہ مکہ کے گردونواح میں پھیلی ہوئی پہاڑیوں میں قدرتی طور پر بن جانے والے دروں اور گھاٹیوں میں سے کسی ایک گھاٹی یا درہ کا مالک تھا۔ ان گھاٹیوں کو شعب کہتے ہیں جب کوئی اجنبی شخص قریش کے کسی قبیلے سے پناہ مانگتا تو قبیلہ اس کے ٹھہرنے کا بندوبست اپنی مخصوص شعب یا گھاٹی میں کرتا تھا۔

درماندہ لوگوں کی پناہ گاہ تھی اس میں ابی طالب اور خاندان کے دیگر افراد قیام کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

قریش نے مسلمانوں کو اشیائے ضرورت کی فروخت پر پابندی لگادی تھی۔ اس پر ستم یہ کہ شعب ابی طالب کسی قافلہ کی گزرگاہ بھی نہیں تھی۔ جس سے کھانے پینے کی چیزیں مہیا ہوسکتی۔ مسلمانوں نے شعب ابی طالب میں انتہائی دردناک مصیبتوں اور بھیانک پریشانیوں میں وقت گزارا۔

انہی دنوں جب مسلمان شعب ابی طالب میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے ایک دن حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا اپنی پھوپھی کے لئے کچھ اشیائے ضرورت لے کرباہر نکلا۔ قریش کے افراد نے جو نگرانی کررہے تھے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے کو مکہ سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا انہوں نے سامان ضبط کرکے اسے اتنا زدوکوب کیا کہ وہ تین دن تک بستر سے نہیں اٹھ سکا۔ ان دنوں میں مکہ کے کچھ بزرگوں نے مصالحت کی کوشش کی اور قریش سے کہا کہ وہ اجازت دیں کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھی واپس چلے آئیں۔ لیکن قریش کے بزرگوں نے جواب دیا کہ اگر محمدؐ اپنے دین سے دستبردار ہوجائیں تو مکہ واپس آسکتے ہیں۔ لیکن اگروہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تو پھر وہیں

پر اپنی موت کا انتظار کریں ہم انہیں مکہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھیوں نے تین سال تک تنگی ترشی اور سختی کو برداشت کیا۔ شعب ابی طالب میں مسلمانوں کے پاس گھریلو سامان نہیں تھا اور مکہ کی سب سے زیادہ مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ کے پاس صرف ایک ہانڈی اور مٹی کا پیالہ رہ گیا تھا اور ایک دن وہ پیالہ بھی ٹوٹ گیا۔ شعب ابی طالب میں مسلسل رنج و الم اور دائمی بھوک کے علاوہ ایک اور حادثہ بھی رونما ہوا وہ یہ تھا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ حضرت خدیجہؓ عسرت اور تنگدستی کے باعث بیمار ہوگئیں اور چونکہ علاج معالجہ کے لئے ضروری دوا اور مناسب غذا موجود نہ تھی لہذا سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ سن ۶۱۹ عیسوی میں انتقال فرماگئیں۔[1]

جب حضرت خدیجہؓ نے زندگی کو خیرباد کہا تو ان کی عمر ۶۵ برس تھی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے پچاس سال گزر چکے تھے۔ جب حضرت خدیجہؓ نے شعب ابی طالب میں زندگی کو الوداع کہا تو ان کے لئے کفن بھی نہ تھا۔ لہذا

[1] مسلمانوں نے اس سال کو عام الحزن کا نام دیا ہے۔

حضرت خدیجہؓ کو "صوقعہ"[1] میں لپیٹ کر سپردِ خاک کردیا گیا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے دو دن بعد مسلمانوں کو دوسرا صدمہ پہنچا اور پیغمبرِ اسلام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے چچا "ابی طالب" نے چھیاسی سال کی عمر میں دارِفانی کو چھوڑ دیا۔

انہی دنوں کعبہ میں لٹکے ہوئے بائیکاٹ کے فرمان کو دیمک نے چاٹ لیا قریش نے جب یہ دیکھا کہ دیمک نے حضرت محمد علیہ الصلوۃ والسلام اور دوسرے مسلمانوں کو شہر بدر کرنے کے فرمان کو چاٹ لیا ہے اور صرف "خدا" کا نام باقی رہنے دیا ہے تو ان پر انجانا خوف طاری ہوگیا۔ قبائل قریش ہی میں سے چند حلیم الطبع افراد نے آواز بلند کی کہ اس ظالمانہ معاہدے کو ختم کرکے بنوہاشم کو محاصرہ سے باہر لایا جائے۔ سوائے ابوجہل کے کسی نے اس کی مخالفت نہ کی۔

جب مسلمان شعب ابی طالب سے واپس لوٹے تو مسلسل فاقہ کشی، بھوک اور پیاس کے باعث بے حد کمزور ہوچکے تھے۔ ان کے چہرے ہڈیوں کے ڈھانچے بن چکے تھے اور ان کے بدن کی کھال سورج کی تمازت سے بری طرح جھلس گئی تھی۔

[1] صوقعہ دراصل ایک ایسی لمبی چادر کو کہتے تھے جسے عرب خواتین اپنے سر ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتی تھیں۔

ایک دن ابی لہب نے بنو ہاشم کے تمام افراد کو ایک ضیافت میں شرکت کی دعوت دی اور حضور علیہ والصلوۃ والسلام کو بھی مدعو کیا۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو ابی لہب نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، "میں چاہتا ہوں کہ بنو ہاشم کے تمام افراد کے سامنے تجھ سے تیرے جد عبد المطلب کے بارے میں سوال کروں اور پوچھوں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ مشرکین جہنم میں جائیں گے تو تمہارے خیال میں عبد المطلب جنت میں ہیں یا جہنم میں؟"

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب میں قرآن کی یہ آیت تلاوت کی

ترجمہ:

پیغمبر اور وہ لوگ جو ایمان لائے خدا سے مشرکوں کے لئے مغفرت طلب نہ کریں چاہے وہ لوگ ان کے اقرباء میں سے ہوں۔ (توبہ ۱۱۴)

اس کے بعد ابی لہب نے ابی طالب کے بارے میں پوچھا اور کہا آیا میرا بھائی ابی طالب بخش دیا گیا ہے یا نہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب دیا کہ ابی طالب جب اس دنیا سے

رخصت ہونے تو مسلمان نہیں ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے اجداد کے دین کو نہیں چھوڑا تھا لہذا ان کا معاملہ بھی خدا کے ہاتھ میں ہے۔

پھر ابی لہب نے کچھ اور بڑوں کا نام لیا جو محمد علیہ الصلوۃ والسلام کے اجداد میں سے تھے۔ ابی لہب نے پوچھا۔ یہ لوگ بخش دیئے جائیں گے یا نہیں۔ جواب میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم قطعی ہے۔ اور اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ قبیلے کے سربراہ ابی لہب نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ آیا مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ محمدؐ کو قبیلہ بنی ہاشم سے باہر نکال دوں؟ سب لوگوں نے یک زبان ہوکر کہا کہ قبیلہ کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قبیلہ بدر کردے۔ ابی لہب نے اس ہی وقت اعلان کردیا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے قبیلے سے نکال دیا ہے اور آج کے بعد ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

جذیرۃ العرب میں جب کسی کو قبیلے سے نکال دیا جاتا تو اس کی حیثیت اتنی ناچیز ہوجاتی تھی کہ اسے قبائلی جرگہ میں انصاف کی درخواست کرنے کا حق بھی نہیں پہنچتا تھا۔ جزیرۃ العرب

میں قبیلہ سے خارج ہونے والا شخص تمام سماجی اور معاشی حقوق سے محروم ہوجاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا جاتا تھا۔

دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا

پیغمبر اسلام سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے ایسے وقت میں اپنے حضور طلب فرمایا۔ جب روئے زمین پر ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا تھا۔ چچیتی، جان نثار بیوی اور مشفق چچا بھی دنیا میں نہیں تھے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

ترجمہ:

قسم ہے تارے کی جب گرے۔

بہکا نہیں تمہارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا۔

اور نہیں بولتا اپنے چاؤ سے۔

یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے۔

اس کو سکھایا زبردست قوتوں والے نے۔

زور آور نے پھر سیدھا بیٹھا۔

اور وہ تھا اونچے کنارے آسمان کے پھر نزدیک ہوا اور خوب اتر آیا۔

پھر رہ گیا فرق دو کمان کا میانہ یا اس سے بھی نزدیک۔

پھر باتیں کیں اللہ نے اپنے بندے سے جو باتیں کیں۔

جھوٹ نہ دیکھا دل نے، جو دیکھا۔

اب تم کیا اس سے جھگڑتے ہو، اس پر جو اس نے دیکھا۔

اور اس کو اس نے دیکھا ہے ایک دوسرے اتارے میں۔

(نجم ۔ ۱ تا ۱۳)

اگلی صبح سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب گذشتہ رات کے واقعات قریش مکہ کو سنائے تو دل کے اندھے لوگوں نے آپؐ کا تمسخر اڑایا اور آپؐ کے گرد جمع ہو کر طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ روٴسائے قریش نے بیت المقدس کی بناوٹ اور طرز تعمیر سے متعلق سوالات کئے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس گذشتہ رات سے قبل کبھی نہ دیکھا تھا۔ اللہ نے آپؐ کو سرخرو فرمایا اور منکرین کے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دیا۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق سے ایک مشرک نے پوچھا کیا ایک رات میں کوئی شخص مکہ سے بیت المقدس آنے جانے کا سفر طے کرسکتا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ جو اس وقت تک واقعۂ معراج سے باخبر نہ تھے، انکار میں جواب دیا۔ اس پر مشرکین نے کہا

کہ تمہارا پیغمبر تویہی کہتا ہے کہ اس نے راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک اور پھر وہاں سے آسمانوں تک کا سفر کیا ہے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حق گو زبان سے اگرچہ یہ بات ابھی تک نہیں سنی لیکن جیسا کہ تم کہہ رہے ہو کہ یہ ان کا بیان ہے تو میں تصدیق کرتا ہوں۔

حق بات کہنے پر پتھر مارے گئے

واقعۂ معراج کے بعد سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام نے تبلیغ کے لئے مکہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا انتخاب کیا۔ آپؐ طائف تشریف لے گئے۔ وہاں آپؐ کے دادا عبد المطلب کا چچا زاد بھائی "عبد یالیل" سکونت پذیر تھا۔ جب اس کو پتہ چلا کہ سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو اس نے ملنے سے انکار کردیا۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف کے سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں حق و صداقت کا پیغام دیا۔ لیکن انہوں نے حق و صداقت کا پیغام قبول کرنے سے انکار کردیا اور آپؐ کے پیچھے وہاں کے اوباش لڑکوں کو لگادیا۔ جو آپؐ پر آوازیں کستے، تالیاں پیٹتے اور گالیاں دیتے تھے۔ انہوں نے اتنے پتھر مارے کہ آپؐ کی نعلین مبارک خون میں بھر گئیں۔ جبرائیلِ امین حاضر ہوئے اور کہا کہ اگر آپؐ اجازت دیں تو بستی والوں پر پہاڑ الٹ دیئے جائیں۔

رحمت اللعالمینؐ نے فرمایا:

"میں مخلوق کے لئے زحمت نہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے بندے پیدا فرمائے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے۔

زخموں سے چور آپؐ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ اس باغ کے مالک دو بھائی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ تھے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لہولہان دیکھ کر انہوں نے اپنے نصرانی غلام کے ہاتھ آپؐ کی خدمت میں انگور کا خوشہ بھیجا۔ آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر انگور لے لیا۔ مسیحی غلام مینوا کا باشندہ تھا۔ اس نے آپؐ سے ان کلمات کی بابت دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم میرے بھائی یونس بن متیٰ کے شہر کے رہنے والے ہو۔ وہ بھی میری طرح خدا کے پیغمبر تھے۔ یہ سن کر ابن ربیعہ کا غلام "عداس" آپؐ کے قدموں میں جھک گیا۔ عداس نے کہا، "اگرچہ میرے آقا عتبہ نے مجھے یہ کہا ہے کہ آپؐ کو انگور پیش کروں لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ آپؐ کو اس باغ میں پناہ نہیں دے گا۔ میں اتنا ضرور کرسکتا ہوں کہ لوگوں کی نظروں سے بچا کر آپؐ کو طائف سے باہر لے جاؤں۔

مسیحی خدمت گار عداس نے اپنے وعدے پر عمل کیا اور

جیسے ہی رات گہری ہوئی پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طائف کے شہر سے باہر لے آیا اور بولا، "خدا کے برگزیدہ بندے! اس شہر سے دور نکل جائیے کہ یہاں کے لوگ آپ کی جان کے دشمن ہیں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحرا میں پیدل چلتے ہوئے ایک ایسی جگہ پہنچے جسے "بطن نخلہ" کہتے تھے۔ رات کا سماں تھا اور ساری کائنات خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچ کر پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی سوز و گداز کے ساتھ قرآن کی تلاوت شروع کردی۔ جنات نے جب سوز و گداز سے بھرپور نورانی آواز میں قرآن سنا تو ان کی ایک جماعت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کیا۔ قرآن پاک کی چھیالیسویں سورۃ میں ارشاد ہے:

ترجمہ:

"اور وہ وقت آن پہنچا جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تمہاری جانب بھیجا تاکہ وہ قرآنی آیات کو سنیں اور جب وہ حاضر ہوگئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہوکر سنو۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف عذاب سے ڈرانے والے بن کر پلٹے۔" (احقاف ۔ ۲۹)

زخم زخم جسم، بھوک سے نڈھال اور خستہ حال محمدؐ طائف کے شہریوں سے مایوس ہوکر مکہ لوٹ آئے۔ حضورؐ نے یہ جان لیا تھا کہ طائف مسلمانوں کی پناہ گاہ نہیں بن سکتا، لیکن کسی قبیلے سے منسلک ہونا ضروری تھا۔ لہذا انہوں نے قبیلہ زہرہ کے سربراہ "اخنس بن شریق" کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اس سے حقِ جوار چاہتے ہیں۔ اخنس بن شریق نے جواب بھجوایا کہ اگرچہ اس کی یہ خواہش ہے کہ وہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جوار (پناہ) دے لیکن وہ ایسا کرنے سے معذور ہے کیونکہ اس نے قبیلہ قریش کے ساتھ معاہدہ کررکھا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہیل بن عمرو کو پیغام بھجوایا اور اس سے کہا کہ وہ انہیں اپنے قبیلے میں جگہ دے۔ سہیل بن عمرو قبیلہ قریش سے دور پرے کا تعلق رکھتا تھا۔ لہذا اس نے بھی حضورؐ کو پناہ دینے سے انکار کردیا۔

مطعم بن عدی نے سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کے پیغام کا مثبت جواب دیا اور اپنی قوم کو جمع کرکے ہتھیار باندھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ میں داخل ہوئے اور مسجد الحرام میں حاضر ہوکر طواف کیا۔ مطعم بن عدی اپنی سواری پر سوار تھا۔ اس نے اعلان کیا، "قریش کے لوگوں! میں نے محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کو پناہ دے دی ہے"۔ مطعم بن عدی اور اس کے لڑکوں نے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا۔ کعبہ میں حاضری کے بعد آپؐ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

عقبہ میں عہد و پیماں

نبوت کے دسویں سال حج کے لئے مکہ آنے والے قبائل کے سربراہوں سے رابطہ کرکے سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام نے اسلام کی دعوت دی۔ لیکن قبائلی سرداروں میں سے کسی نے بھی آپؐ کی باتوں پر توجہ نہ دی۔ قریش نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ محمدؐ مجنوں ہوگئے ہیں ان کی باتوں پر توجہ نہ دی جائے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا کام جاری رکھا۔ مکہ اور منیٰ کے درمیان عقبہ کے مقام پر آپؐ کو چند لوگ ملے۔ آپؐ نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور واحدہ لاشریک کی صفات بیان کیں۔ ان کی کل تعداد چھ تھی اور وہ یثرب سے آئے تھے۔ ان کے قبیلے کا نام خزرج تھا۔ ان لوگوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا اور ان چھ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ لوگ جب یثرب پہنچے تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو عام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اگلے برس عقبہ کے مقام پر مزید بارہ افراد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دینِ حنیف میں

داخل ہونے کے بعد یہ عہد لیا گیا:

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۲۔ تخریب اور برے اعمال سے دور رہیں گے۔

۳۔ جان و مال کے ساتھ سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حمایت کریں گے۔

۴۔ اسلام کی حمایت اور سربلندی کے لئے مشرکین سے لڑنا پڑا تو لڑیں گے۔

عقیدہ توحید سے سرفراز ہوکر یہ لوگ واپس جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ہمراہ کردیا تاکہ وہ نومسلم حضرات کو تعلیم دیں۔

اس سے اگلے سال یثرب سے آنے والے لوگوں میں سے ۷۵ افراد نے اسلام قبول کیا اور اسلام کے لئے جان و مال قربان کرنے کے عہد کو دہرایا۔ یثرب میں اسلام کا غلغلہ بلند ہونے اور شب و روز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ سے مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ میسر آگئی۔ سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام نے مکہ سے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ یثرب کی طرف ہجرت کرجائیں۔ مسلمان اپنا گھربار اور سب کچھ چھوڑ کر مکہ سے یثرب ہجرت کرگئے۔ مسلمان اگرچہ چھوٹے چھوٹے قافلوں میں ہجرت کررہے تھے، مگر

مکہ میں یہ بات پھیل گئی۔ مکہ میں مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے اور مکہ سے باہر نکلنے پر پابندی لگانے کا فیصلہ ہوا۔ مسلمانوں میں سے تین افراد حضرت عباسؓ بن ربیعہ اور دوسرے دو بھائی حضرت امیہ اور حضرت ہاشم بن عاص پر مشتمل گروپ جب مکہ سے روانہ ہونے لگا تو حضرت ہاشم کو کفار نے گرفتار کرلیا۔ اس زمانے میں رائج سزاؤں میں سے ایک سزا یہ تھی کہ زنجیروں میں جکڑ کر صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر چھوڑ دیتے تھے۔ حضرت ہاشمؓ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔

حضرت ابو سلمہؓ نے جب ہجرت کا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان کے سسرال والوں نے ان سے ان کی بیوی چھین لی اور ان کے والدین نے بچہ لے لیا۔ ان کی بیوی نے شوہر اور بچے کی جدائی میں پورا سال رو رو کر گزار دیا۔ بالآخر ان کے گھر والوں نے انہیں شوہر کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے دادا دادی سے بچہ کو لیا اور مدینہ پہنچ گئیں۔

حضرت صہیبؓ کی ہجرت کا کفار مکہ کو جب پتہ چلا تو قریش نے کہا کہ تم جب ہمارے پاس آئے تھے تو مفلس تھے۔ یہاں تم نے مال و دولت کمایا ہے۔ اب تم یہ چاہتے ہو کہ اپنا مال اور اپنی جان دونوں لے کر چل دو تو یہ ناممکن ہے۔ حضرت صہیبؓ

نے اپنا تمام مال اسباب ان کے حوالے کردیا۔

مشرکین کو بہت قلق اور رنج ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان مال، دولت، اولاد، گھربار کی پرواہ کئے بغیر اپنے رہبر کی بات پر بلا چون و چراں عمل کرتے ہیں۔ وہ اپنے ہر منصوبے میں بری طرح ناکام ہوگئے تھے۔

دارالندوة

دارالندوۃ میں اجلاس ہوا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زنجیروں میں جکڑ کر قید کرنے اور جلاوطن کرنے کی تجاویز پر اتفاق نہیں ہوسکا۔ ابوجہل کی طرف سے تجویز پیش کی گئی کہ ہر قبیلہ سے ایک تندرست و توانا آدمی لیا جائے سب مل کر محمدؐ پر حملہ آور ہوں اور تلواروں کے پے در پے وار کرکے ان سے نجات حاصل کرلی جائے۔ اس طرح محمدؐ کا خون کسی ایک قبیلہ کے سر نہیں ہوگا۔ محمدؐ کے قبیلے والے اور ان کے اتحادی تمام عرب سے جنگ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہ تجویز شرکائے مجلس کو پسند آئی اور اس پر عملدرآمد کا منصوبہ تیار کرلیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو کفار کے ارادہ سے باخبر کردیا اور مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

رات کے دوسرے پہر سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کے باہر مسلح نوجوانوں کی مشکوک حرکت شروع ہوچکی تھی۔ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے ناپاک ارادہ پر عمل کرنے کے لئے

تیار تھے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سوجاؤ۔ چند مزید ہدایات دے کر گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ اس وقت آپؐ نے سورۃ یٰسین کی نویں آیت تلاوت کی۔

ترجمہ:

"اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار، پھر اوپر سے ڈھانک دیا، سو ان کو نہیں سوجھتا۔"

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کی صفوں کے بیچ میں سے نکلتے چلے گئے۔

پروگرام کے مطابق کفارِ مکہ جب سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں داخل ہوئے تو حضورؐ کے بستر پر حضرت علیؓ کو دیکھ کر انہیں اپنی ناکامی و نامرادی پر سخت افسوس ہوا۔

ترجمہ:

"اور جب فریب بنانے لگے کافر کہ تجھ کو بٹھادیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی فریب کرتے تھے اور اللہ بھی فریب کرتا تھا اور اللہ کا فریب سب سے بہتر ہے۔" (الانفال - ۳۰)

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ پوری رات سفر کرتے رہے۔ صبح صادق کے وقت وہ لوگ غارِ ثور کے نزدیک پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر کے لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تین سال بڑے تھے۔ ان کا شمار مکہ کے متمول افراد میں ہوتا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی تمام دولت اور جائداد اسلام کی راہ میں قربان کردی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ غار میں پہنچے۔ غار کو صاف کیا اور اپنی قبا پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں سے غار میں موجود مختلف سوراخوں کو بند کرکے پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غار میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ غارِ ثور میں کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جس پر سر رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام استراحت فرماتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دیکھا کہ غار میں ایک سوراخ باقی رہ گیا ہے۔ انہوں نے اپنا پیر اس سوراخ پر رکھ دیا۔ اس سوراخ میں سانپ تھا جس نے انہیں ڈس لیا۔ حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے آرام کے خیال سے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ لیکن درد کی شدت سے پسینے کے قطرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی

پر ٹپکے تو حضورؐ کی آنکھ کھل گئی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دیکھا تو حضرت ابوبکرؓ کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ حضورؐ نے لعاب دہن لگا کر زہر کے اثر کو زائل کردیا۔

قریش کے کارندے اسی رات مکہ کے آس پاس پھیل گئے اور گردو نواح کے بیابانوں میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تلاش شروع کردی۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کروادیا کہ جو شخص آپؐ کو ڈھونڈ نکالے گا اسے انعام کے طور پر سو اونٹ پیش کئے جائیں گے۔ اگلے روز قریش کے کارندے تیز رفتار اونٹوں کے ذریعے اس علاقے تک پہنچ گئے جہاں حضور علیہ الصلوۃ والسلام حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ قریش کے افراد غار کے سامنے سے گزرے۔ تعاقب کرنے والوں نے دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی کا جالا بنا ہوا ہے۔ پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا تعاقب کرنے والے دوسرے گروہ کے لوگ بھی غار کے قریب سے گزرے اور انہوں نے دیکھا کہ غار میں ایک پرندے کا گھونسلہ بنا ہوا ہے اور اس کے انڈے بھی ہیں۔ قریش کی آمدورفت، دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ پریشان ہوگئے لیکن پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے خدا کی مدد کا یقین دلایا۔

ترجمہ:

"اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا کافروں نے، وہ جان سے جب دونوں تھے غار میں جب کہنے لگا تو غم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے تسکین اس پر اور مدد کو بھیجیں وہ فوجیں جو تم نے نہ دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے۔ اللہ زبردست ہے حکمت والا۔"

(توبہ ۔ ۴۰)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تین شب و روز تک اسی غار میں ٹھہرے رہے۔

تین دن کی جستجو کے بعد قریش بھی تھک گئے اور مکہ واپس چلے گئے۔ اسی اثناء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غلام عامر بن فہیرہ طے شدہ منصوبے کے مطابق دو سفید اونٹنیاں لے کر مذکورہ غار تک پہنچ گیا۔

سفر ہجرت کے اگلے مرحلے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام "قبا" میں داخل ہوئے اور ام کلثوم، سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کے رفیقِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی میزبانی کے شرف

سے مشرف ہوئیں۔

سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام نے بیس روز تک قبا میں قیام فرمایا اور اسلام کی پہلی مسجد قبا میں تعمیر کی۔ مسجد کی تعمیر میں سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام بنفسِ نفیس شریک ہوئے۔

مدینۃ النبیؐ

شہر مدینہ بلندی پر واقع ہے۔ اس کے شمال اور جنوب میں دو پہاڑ ہیں مدینہ کے تین طرف یعنی مشرق، مغرب، جنوب میں منجمد شدہ آتش فشاں پھیلا ہوا ہے۔ مدینہ کی آب و ہوا معتدل ہے اور وہاں جزیرۃ العرب کے دوسرے علاقوں کی نسبت بارشیں زیادہ ہوتی ہیں۔

سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار جب مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کے باشندوں نے آگے بڑھ کر اونٹنی کی مہار تھام لی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میزبانی کا شرف اسے نصیب ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا میری اونٹنی کی لگام چھوڑ دو میری اونٹنی وہاں بیٹھے گی جہاں خدا کی مرضی ہوگی اور میں بھی وہیں قیام کروں گا جہاں خدا چاہے گا۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی قصویٰ مدینے کے کئی محلّوں سے گزری اور محلّہ ''النجار'' میں داخل ہوگئی۔ مدینہ کے

سارے مسلمان پیغمبرؐ کی اونٹنی کے پیچھے چل رہے تھے اور یہ جاننے کی مشتاق تھے کہ اونٹنی کہاں بیٹھے گی۔

قصویٰ کچھ دیر تک قبیلہ نجار کے محلے میں چکر لگاتی رہی پھر ایسے قطعہ زمین میں داخل ہوگئی جو بالکل خالی تھا۔ اونٹنی وہاں پہنچ کر چند قدم اور آگے بڑھی پھر ٹھہر گئی اور زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس جگہ پر جہاں اونٹنی نے گھٹنے ٹیکے تھے کوئی گھر موجود نہیں تھا اور اس قطعہ زمین کو کھجوریں خشک کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ البتہ وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک گھر تھا اور مسلمانوں نے اپنے پیغمبرؐ کو بتایا کہ یہ گھر ابو ایوبؓ نامی شخص کی ملکیت ہے۔ جس جگہ حضورؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی۔ حضورؐ نے مالیت سے زیادہ رقم دے کر وہ زمین خرید لی۔ مدینہ پہنچنے کے دوسرے دن پیغمبر اسلامؐ نے مسلمانوں کی مدد سے اس جگہ پر مسجد کی تعمیر شروع کردی۔ بلا امتیاز سارے مرد جن میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شامل تھے اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈھوتے، پتھر لاتے، گارا بناتے اور مسجد کی تعمیر میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ مذکورہ مسجد کی تعمیر میں سات ماہ کا عرصہ لگا۔ مسجد کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ مسجد میں ان مہاجرین کے لئے جن کے پاس رہنے کے لئے

جگہ نہ تھی اینٹوں اور گارے کی مدد سے ایک بہت بڑا چبوترا بنایا جو آج بھی صفہ کے نام سے معروف ہے۔ صفہ میں قیام کرنے والے لوگوں کو "اہلِ صفہ" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مکہ سے آنے والے مسلمان چونکہ تہی دست تھے اور ان کے پاس رہنے کے لئے جگہ نہیں تھی، پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انصار سے فرمایا کہ مسلمانوں میں کسی ایک کے ساتھ "عہدِ اخوت" باندھ لیں اور انہیں اپنے گھروں میں جگہ دیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر حصولِ معاش کا کام کریں۔ مکہ سے آنے والے ایک سو چھیاسی (۱۸۶) مسلمانوں نے مدینہ کے مسلمانوں یعنی انصار کے ساتھ "عہدِ اخوت" باندھا اور ان لوگوں کے گھروں میں پناہ گزین ہوگئے۔

ترجمہ:

"اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی ہیں تحقیق ایمان والے۔ ان کو بخشش ہے اور روزی عزت کی۔"

یہودی قوم حضورؐ سے ناخوش تھی۔ انہوں نے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ بوقتِ ضرورت قریش کا ساتھ دیں گے۔ سیدنا

علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رفقاء کے ساتھ جب اہلِ مکہ کی دسترس سے دور ہوگئے تو قبیلہ قریش نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف معاشی حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ قبیلہ قریش نے جزیرۃ العرب کے شمال میں واقع تجارتی راستوں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور مدینہ کو کچھ اسطرح اقتصادی محاصرے میں جکڑ دیا کہ ہر قسم کی اشیائے ضرورت مدینہ پہنچنا بند ہوگئیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ کی معاشی ناکہ بندی سے بہت ملول خاطر تھے۔ انہیں احساس تھا کہ قریش نے ان کی دشمنی میں شہر کے سارے باشندوں کو بھوکا رہنے کی سزا دے رکھی ہے۔

تین سو تیرہ بمقابلہ ایک ہزار

دشمن کو دشمن کے ہتھیار سے ہلاک کرنے کی جنگی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ جس طرح قبیلہ قریش نے مدینہ کو معاشی محاصرے میں لے رکھا ہے اسی طرح وہ بھی مکہ کے تجارتی قافلوں کو مدینہ کی حدود سے گزرنے کی اجازت نہ دیں۔ اس حکمت عملی پر عمل درآمد میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ قریش نے اپنے تجارتی قافلوں کی گزرگاہوں پر آباد قبائل سے معاہدہ کر رکھا تھا۔ جس کے عوض اہلِ مکہ انہیں "باج" ادا کرتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بدوی قبائل میں تشریف لے گئے اور مکہ والوں کی زیادتیوں اور چیرہ دستیوں سے بدوی قبیلوں کو آگاہ کرکے انہیں مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کی دعوت دی۔ قبیلوں نے یہ پیش کش قبول کرلی اور اہلِ مکہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے دستبردار ہوگئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبیلہ غفار، قبیلہ بنوضمرہ، قبیلہ جہینیہ اور قبیلہ بنو مدلج کے سرکردہ افراد

کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ بہت سارے لوگ مسلمان ہوئے اور کئی قبیلے مسلمانوں کے اتحادی بن گئے۔ ان قبائل کی بستیاں ایسی جگہ پر تھیں جہاں سے قافلے گزرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیر موجودگی میں ابن جبیر کی قیادت میں تیز رفتار اونٹوں پر سوار کچھ سواروں نے مدینہ پر حملہ کردیا۔ گھروں میں آگ لگادی۔ مسلمانوں کا مال و اسباب لوٹ کرلے گئے۔ انکوائری کے بعد پتہ چلا کہ یہ قریش کی سازش تھی۔ قریش کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آٹھ مسلمانوں کو منتخب کیا اور ان میں سے عبد اللہ بن جحش کو سربراہ بنایا۔ جب عبد اللہ نخلہ پہنچے تو رجب کا مہینہ ختم ہونے میں ابھی ایک دن باقی تھا۔ رجب کا مہینہ اہلِ مکہ کے نزدیک حرمت والا مہینہ تھا۔ اسی دن ایک کارواں نے جو کشمش اور کھالیں لے کر طائف سے مکہ جارہا تھا نخلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ عبد اللہ بن جحش نے کارواں کو روک لیا۔ اس قافلے میں قریش کے چار افراد شامل تھے۔ ان افراد میں سے ایک مارا گیا۔ دو اسیر ہوگئے اور ایک بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا اور مسلمانوں نے قافلے کا سارا مال اور مویشی اپنے قبضے میں لے لیے۔ مکہ میں صدائے اعتراض بلند ہوئی اور

مدینہ کے بت پرست یہودیوں نے بھی احتجاج کیا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف الزام تراشی کی مہم شروع کردی کہ مسلمانوں نے رجب کے مہینے میں کارواں پر حملہ کرکے دیرینہ قوانین کی خلاف ورزی کی ہے۔ عبد اللہ بن جحش مالِ غنیمت لے کر آئے تو مسلمان بھی شبہ میں پڑ گئے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام بھی غمگین و ملول ہوئے۔ آپؑ نے حکم دیا کہ سارا سامان ایک جگہ جمع کردیا جائے اور کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے جب تک کوئی فیصلہ نہ ہو۔ اس موقع پر سورہ بقرہ کی آیات نازل ہوئیں۔

ترجمہ:

"آپ سے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) حرمت والے مہینوں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اس ماہ میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے مگر اللہ کی راہ روکنا اور خدا سے کفر کرنا اور مسجد الحرام میں داخلے پر پابندی لگانا اور ان لوگوں کو جو اس کے اہل ہیں وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔"

کچھ عرصے بعد کفار مکہ کا ایک اور قافلہ مدینہ کی حدود سے

گزر کر مکہ پہنچنے والا تھا۔ قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں دو ہزار اونٹوں پر پچاس ہزار مالیت کا سامان لے کر جارہا تھا۔ مکہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ کفارِ مکہ نے اس بات کو بنیاد بنا کر نوسو پچاس جنگجو مرد، سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑوں پر مشتمل فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دی۔ مسلمانوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو تین سو تیرہ افراد ستر اونٹوں اور دو گھوڑوں پر مشتمل جماعت مقابلہ کے لئے تیار ہوگئی۔

ہجرت کے دوسرے سال سترہ رمضان کو بدر کے مقام پر دونوں افواج کا آمنا سامنا ہوا۔ اس جنگ میں مسلمان تعداد کے لحاظ سے قریش کے مقابلے میں صرف ایک تہائی تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور فتح و نصرت عطا کی۔ قریش کی فوج کا سپاہ سالار ابوجہل اس جنگ میں ہلاک ہوا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا تذکرہ قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

ترجمہ:

"سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی، اور کیا چاہتا تھا ایمان والوں پر

اپنی طرف سے خوب احسان، تحقیق اللہ ہے سنتا
جانتا۔" (الانفال - ۱۷)

جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خبر مکہ پہنچی تو اہلِ مکہ نے ایک اور جنگ کے ذریعے مسلمانوں سے بدلہ لینے کا فیصلہ کرلیا۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور دیگر مسلمانوں سے جنگ و جدل کرنے والے گروہ کا سربراہ ابوسفیان تھا۔ جنگ بدر میں اس کا ایک بیٹا، سسر اور داماد مارے گئے تھے۔ جبکہ دوسرا بیٹا مسلمانوں کے پاس قید تھا۔ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ مسلمانوں سے انتقام لئے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا اور نہ ہی اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرے گا۔ ابوسفیان کی بیوی نے بھی قسم کھائی کہ اگر اس کے بیٹے، باپ اور بھائی کا قاتل اس کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اس کا کلیجہ چبالے گی۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ اگر اس کے بیٹے باپ اور بھائی کے قاتل کئی لوگ ہوئے تو وہ ان سب کے کان، ناک اور زبان کاٹ کر ان کا ہار بنائے گی اور جس دن اسلام کو شکست ہوگی تو وہ یہ ہار گلے میں ڈال کر میدان جنگ میں ناچے گی۔

جنگ بدر کے بعد حضورؐ کی بڑی صاحبزادی دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ ابھی حضرت رقیہؓ کو فوت ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا

تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ ان کا پہلا نواسہ اور ان کی دوسری بیٹی حضرت زینبؓ بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اہلِ مدینہ کے لئے ایک بنیادی آئین مرتب کیا تھا۔ جس کی ایک شق یہ تھی کہ مدینہ کے یہودی مسلمانوں کے خلاف اہلِ مکہ سے گٹھ جوڑ نہیں کریں گے۔ لیکن یہودیوں نے اس آئین کی خلاف ورزی کی اور ان کے کچھ شاعر مدینہ سے نکل کر مکہ پہنچ گئے تاکہ اہلِ مکہ کے جذبات کو مشتعل کریں اور انہیں مسلمانوں سے لڑنے پر اکسائیں۔ مدینہ کے یہودی شاعر ایسے وقت پر مکہ پہنچے جب وہاں مسلمانوں کے خلاف غضب و انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ قریش کے سرداروں نے یہ اعلان کروا دیا تھا کہ مکہ کا کوئی شہری جنگ بدر کے مرنے والوں پر آنسو بہائے گا تو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اسے شہر اور قبیلے سے نکال دیا جائے گا۔ جنگ بدر میں ابوجہل کی موت کے بعد مکہ میں تین افراد پر مشتمل ایک تنظیم قائم ہوئی۔ جس میں ایک ابی لہب، دوسرا ابوسفیان اور تیسرا صفوان بن امیہ تھا۔ ان تینوں نے یہ عہد کیا کہ جب تک اسلام ختم نہیں ہوجائے گا ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

جو کی چوری

ابی لہب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لئے ایک شخص کو منتخب کیا جس کا بیٹا جنگ بدر میں مسلمانوں کے پاس اسیر تھا۔ اس شخص کا نام عمیر بن وہب تھا۔ ابی لہب نے اس شخص کے سفری اور گھریلو اخراجات پورے کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ عمیر مدینہ پہنچنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں داخل ہوگیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر کا دروازہ ہر کسی کے لئے کھلا رکھتے تھے۔ عمیر نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ واسلام اپنی ردا (چادر) دھونے میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر عمیر بولا، "یا محمدؐ! بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ چادر دھو رہے ہیں جبکہ آپ پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا میرے پاس غلاموں اور کنیزوں کی فوج نہیں ہے میں اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں اور تجھے یقین دلاتا ہوں کہ اپنے کپڑے خود دھونے سے پیغمبری میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر حضورؐ نے اس کے

آنے کا مقصد دریافت فرمایا۔ جواب میں عمیر نے کہا کہ میں اپنے بیٹے کی رہائی کے لئے فدیہ دینے آیا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو اس لئے نہیں آیا کہ فدیہ ادا کرکے اپنے قیدی کو چھڑالے جائے بلکہ تو مجھے قتل کرنے آیا ہے۔ عمیر نے یہ بات سنی تو لرز گیا اور اس کے کپڑوں میں چھپا ہوا خنجر زمین پر گرگیا۔ عمیر بولا، رب کی قسم! میرے اور ان تین آدمیوں کے سوا جنہوں نے اس قتل کا منصوبہ بنایا تھا کوئی اور انسان اس سازش سے باخبر نہیں ہے۔ بے شک میں آپ کو قتل کرنے آیا تھا۔ یقیناً آپ خدا کے سچے رسول ہیں اور میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور ہمیشہ کے لئے کفر اور شرک سے توبہ کرتا ہوں۔ عمیرؓ جب مکہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ابی لہب طاعون میں مبتلا ہوکر مرگیا ہے۔

ابی لہب کے بعد ابوسفیان نے مخالفین اسلام کی قیادت سنبھال لی۔ اس کی بیوی نے جس کا نام "ہندہ" تھا اپنے شوہر سے زیادہ اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ جنگ بدر کے شکست خوردہ مشرکین نے دس ہفتوں کے بعد مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے ابوسفیان کی سرکردگی میں فوج تیار کی۔ ابوسفیان چار سو سپاہیوں کے ہمراہ ماہ حرام میں مکہ سے نکلا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

ابوسفیان نے مدینہ کے نزدیک کوہ نیب کے علاقے میں فوج کو ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود گنتی کے چند سپاہیوں کے ہمراہ مدینہ میں داخل ہوگیا۔ مکہ کے قریش اور مدینہ کے یہودیوں نے خفیہ طور پر یہ معاہدہ کرلیا تھا کہ مشرکین مکہ جب بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی کاروائی کرنا چاہیں تو یہودی ان کی مدد کریں گے۔ ابوسفیان یہودیوں کے سرکردہ شخص سلام بن میشام سے ملا اور اسے اپنے ارادہ سے آگاہ کیا۔ لیکن میشام نے فی الوقت ساتھ دینے سے انکار کردیا اور تیاری کے لئے وقت مانگا۔

ابوسفیان جب اپنے ارادے میں ناکام ہوا تو اس نے مدینہ سے نکلتے وقت مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگادی۔ دو مسلمان مزاحمت کرتے ہوئے شہید ہوگئے اور وہ مسلمانوں کا سامان لوٹ کر بھاگ نکلا سامان میں "جو" کی بوریاں بھی شامل تھیں۔ مذکورہ محلہ مدینہ کے شمال میں واقع تھا اور محلہ عریق کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ مسلمانوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ بھی ابوسفیان کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔ ابوسفیان اور اس کے سپاہی سامان چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ اسلامی تاریخ میں یہ واقعہ "غزوہ سویق" کے نام سے مشہور ہے۔ عربی زبان میں سویق جو کو کہتے ہیں۔

احد کے میدان میں ....

ایک طرف جب کہ مکہ کے رہنے والے اپنے آپ کو مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کے لئے تیار و آمادہ کررہے تھے تو دوسری طرف مدینہ میں وہ لوگ جو اسلام کے دشمن تھے ہجو آمیز اشعار کی آڑ میں مسلمانوں کے مقابل نکل آئے تھے۔ ابوسفیان نے مکہ پہنچ کر فوج کی تنظیمِ نو کی اور ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں مدینہ کی طرف کوچ کیا۔

اس مرتبہ تین ہزار جنگجو سپاہی ابوسفیان کے زیر کمان تھے۔ جن میں سات سو سپاہی مکمل طور پر مسلح پوش تھے۔ صفوان اس فوج کا نائب سالار تھا۔ ابوسفیان کے ہمراہ مدینہ آنے والے دوسرے سرداروں میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی شامل تھا۔ جس کے سینے میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھری ہوئی تھی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی مدینہ کی طرف عازمِ سفر ہوئی وہ اعلان کرچکی تھی کہ مسلمانوں کے ناک، کان اور ہاتھ کاٹ کر ان کا ہار اپنے گلے میں ڈالے گی۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ساتھیوں کے مشورے سے مدینہ سے باہر نکل کر کفار مکہ کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور احد کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ منافقین نے شریک ہونے سے انکار کردیا۔ عبد اللہ بن ابی ان کا سربراہ تھا۔

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ:

"اور تاکہ اللہ انہیں بھی جان لے جنھوں نے منافقت کی، اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑائی کرو یا دفاع کرو تو انھوں نے کہا کہ اگر ہم لڑائی جانتے تو یقیناً تمہاری پیروی کرتے یہ لوگ ایمان کی بہ نسبت آج کفر کے زیادہ قریب ہیں۔ منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہے، اور یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ اسے جانتا ہے۔"

میدان جنگ میں لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم کرکے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مقامات پر دستے متعین فرمائے اور ہدایت کی کہ کسی بھی صورت میں اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

جنگ احد میں بڑے نامی گرامی کفار ہلاک ہوئے۔ ان کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ جوش اور غیرت کے لئے دف بجا بجا

کر اشعار سنانے والی قریشی عورتیں کفار کی پسپائی دیکھ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئیں۔ قریش مکہ کا جھنڈا جب زمین پر گر گیا اور دوسرا کوئی کافر اسے نہ اٹھا سکا تو فوج کے حوصلہ پست ہوگئے اور فوج اپنے سپاہیوں کی لاشیں چھوڑ کر پسپا ہوگئی۔

متعین جگہ پہاڑی پر موجود مسلمانوں نے اپنی جگہ چھوڑی اور مال غنیمت سمیٹنے لگے۔ مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے برخلاف میدان میں کود پڑے۔ تو خالد بن ولید نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اسلامی لشکر کی پشت پر جاپہنچے۔ پہاڑی مورچوں پر موجود چند مسلمان جنہوں نے جگہ نہ چھوڑی تھی مشرکین کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے خلاف اس عمل سے مشرکین نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ کافر فوج کا جھنڈا ایک عورت نے اٹھا کر ہوا میں بلند کردیا۔ مشرکین کی پسپا فوج واپس پلٹ آئی اور مالِ غنیمت سمیٹتے ہوئے مسلمان چاروں طرف سے ان کے نرغے میں آگئے۔ مسلمانوں میں ابتری پھیل گئی۔ کسی نے اعلان کردیا کہ محمدؐ شہید ہوگئے ہیں۔ لشکر آپس میں گڈمڈ ہوگئے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں بعض مسلمان شہید ہوگئے۔ افراتفری کے عالم میں مسلمان جب منتشر ہونے لگے تو سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پکار کر

بلند آواز سے کہا "میری طرف آؤ! میں اللہ کا رسول ہوں" یہ صدا کفار نے بھی سنی اور وہ مسلمانوں سے پہلے ہی آپؐ تک پہنچ گئے۔ اس وقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے قریب نو (۹) صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ کفار نے بھرپور حملہ کیا اور اس معرکہ آرائی میں سات صحابی شہید ہوگئے۔ مشرکین چاہتے تھے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو شہید کردیں لیکن جان نثاروں نے اپنی جان کے نذرانے پیش کرکے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہونچنے دیا۔ اس حملہ میں عقبہ بن ابی وقاص نے سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کی جانب پتھر پھینکا جس سے آپؐ پہلو کے بل گر گئے اور آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ آپؐ کا نچلا ہونٹ زخمی ہوگیا۔ ایک مشرک نے آپؐ کی پیشانی زخمی کردی ایک اور نے اتنے زور سے تلوار ماری کہ آپؐ ایک عرصہ تک کندھے میں چوٹ کا اثر محسوس کرتے رہے۔ اسی نے دوسرا وار چہرے پر کیا جس سے خود کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں اور آنکھ کے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر زخم آئے۔

اس موقع پر جانثاری کی اعلی ترین مثالیں سامنے آئیں۔ جس وقت سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام چوٹ کھا کر زمین پر گرے حضرت طلحہؓ آپؐ پر بچھ گئے اور کفار مکہ کے بیشتر حملے انہوں

نے اپنے جسم پر روک لئے۔ حضرت ابودجانہؓ دشمنوں میں گھرے ہوئے اپنے محبوب پیغمبرؐ تک پہنچے تو آپؐ کے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہوگئے اور تیروں کی برسات روکنے کے لئے اپنی پیٹھ کو ڈھال بنادیا۔

اس نازک ترین لمحہ اور مشکل ترین وقت میں اللہ نے غیب سے مدد نازل فرمائی۔ سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کے حفاظتی دستہ میں شامل حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ احد کے روز اس لمحہ انہوں نے دو سفید پوش آدمیوں کو دیکھا جو مشرکین کے تابڑ توڑ حملوں سے سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کی حفاظت کررہے تھے۔

کافر فوج نے سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کی شہادت کی افواہ پھیلا کر مسلمانوں میں بددلی پھیلا دی تھی۔ حضرت انسؓ کے چچا حضرت انس بن نضرؓ نے دیکھا کہ چند مسلمان ہتھیار پھینک کر حوصلہ ہارے بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تم لوگ لڑتے کیوں نہیں؟ لوگوں نے جواب دیا۔ اب ہم لڑ کر کیا کریں گے؟ جس کے لئے لڑتے تھے وہ تو شہید ہوگئے۔ حضرت انس بن نضرؓ نے خطاب کیا، "اگر واقعی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں تو پھر ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ چلو شہادت کے راستے پر قدم بڑھاؤ کہ ہم بھی آپؐ سے

جائیں۔" یہ کہہ کر دشمنانِ اسلام کی فوج میں گھس گئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ شہید ہونے کے بعد دیکھا گیا تو جسم پر اسی (۸۰) سے زیادہ زخم تھے۔ تیر، تلوار اور نیزے کے اتنے وار ان پر کئے گئے تھے کہ کوئی ان کی لاش نہ پہچان سکا۔ ان کی بہن نے انگلیاں دیکھ کر شہید بھائی کو پہچانا۔

قریش کے غلاموں میں ایک سیاہ فام غلام بھی تھا جس کا نام "وحشی" تھا۔ اس نے لالچ میں حضرت حمزہؓ کو ڈھونڈ لیا اور ان کی تاک میں بیٹھ گیا۔ حضرت حمزہؓ بڑی دلیری سے تلوار چلا رہے تھے۔ وحشی کو ان کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ وحشی نے جب دیکھا کہ حضرت حمزہؓ کی پیٹھ اس کی طرف ہے تو اس نے اپنا نیزہ اتنی قوت سے ان کی طرف پھینکا کہ نیزے کی نوک سینے کے پار ہوگئی اور حضرت حمزہؓ کی روح پرواز کرگئی۔ جب ہندہ نے یہ سنا کہ حمزہؓ وحشی کے ہاتھوں قتل ہوچکے ہیں تو اس نے اسی لمحہ نہ صرف یہ کہ وحشی کو آزاد کردیا بلکہ میدان جنگ میں کھڑے کھڑے اپنے کنگن اور ہار اتار کر اسے بخش دیئے۔ اور ایک تیز دھار چاقو سے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کرکے جگر نکال کر چبانا شروع کردیا۔ پھر اس نے ان کے ناک اور کان کاٹے۔ ہندہ جگر خور نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ

قریب پڑی ہوئی مسلمانوں کی لاشوں کے کان اور ناک کاٹ کر ڈوری میں پروکر ہار بنایا اور گلے میں ڈال کر وحشیانہ رقص کیا۔ ہندہ کے علاوہ قریش کی ایک اور عورت "سلافہ بن سعد" بھی میدان جنگ میں وارد ہوئی۔ درندہ صفت سلافہ بن سعد اس مسلمان شہید کا سر کاٹ کرلے گئی جس نے جنگ بدر میں اس کے بیٹے کو قتل کیا تھا۔ بہت مکروہ چیخ میں اس نے کہا جب تک میں زندہ ہوں کھوپڑی کے اس پیالے میں پانی پیا کروں گی۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ چچا کا پیٹ اور سینہ چاک ہے اور کلیجہ چبا کر پھینک دیا گیا ہے۔ کان اور ناک بھی کٹے ہوئے ہیں تو آپؐ بے انتہا غمگین ہوئے۔ وحشی جب ابوسفیان کی فوج سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اقرار کیا کہ وہ حضرت حمزہؓ کا قاتل ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو معاف کردیا۔ آپؐ نے صرف اتنا کہا کہ وہ کبھی ان کی نظروں کے سامنے نہ آئے۔ لہذا اس دن کے بعد وحشی کبھی بھی آپؐ کے سامنے نہیں آیا۔ لیکن اس نے حضرت حمزہؓ کا خون بہا ادا کرنے کے لئے مسلیمہ کذاب سمیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جنگِ احد میں مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصان کے باعث یہودیوں نے پروپیگنڈہ شروع کردیا۔ یہودیوں نے لوگوں سے کہا اگر محمدؐ اللہ کے رسول ہوتے تو انہیں شکست نہ ہوتی۔ اس موقع پر سورۃ آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ و مفہوم:

"کافروں کا مقابلہ کرنا نبیوں کا قدیم دستور ہے۔ اس سے پہلے بھی نبیوں پر تکالیف گزری ہیں۔ لیکن وہ یاس و ناامیدی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ وہ استقامت اور پائیداری کی وجہ سے کامیاب ہوئے اور اللہ صاحب استقامت لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔"

مسلم قیدیوں کی نیلامی

جماعتِ قریش نے ہر طرف یہ منادی کرائی کہ مسلمانوں کو زندہ پکڑ لانے پر انعام دیا جائے گا۔ ایک مسلمان قیدی کے لئے اتنا زیادہ انعام مقرر کیا گیا کہ مشرکین مسلمانوں کی کھوج میں لگ گئے۔

تیس (۳۰) افراد پر مشتمل ایک جماعت تبلیغِ دین کے لئے جاتے ہوئے ان لوگوں کے نرغے میں آگئی۔ اغوا کرنے والوں نے مسلمانوں کو زندہ پکڑنا چاہا لیکن دو بدو جنگ ہوئی۔ ۳۰ افراد میں سے تین افراد زندہ بچے۔ بدوی لٹیرے ان تینوں کو گرفتار کرکے مکہ لے جانے لگے تو ان میں سے ایک کسی طرح بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ صحرائی لٹیروں نے اس کا تعاقب کیا اور دوبارہ پکڑنا چاہا لیکن جب زندہ پکڑنے میں ناکام ہوگئے تو ان سفاک ظالموں نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے صحرا میں پھینک دیا۔ یہ لٹیرے باقی دو مسلمانوں کو باندھ کر مکہ لے آئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ مکہ سے سارے اشراف ان دونوں کو

حاصل کرنے کے لئے اتنے بیقرار ہیں کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششیں کررہے ہیں۔ صحرائی لٹیروں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو انعام لینے کے بجائے دونوں مسلمانوں کو نیلام کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ زیادہ سے زیادہ رقم مل جائے۔ سب سے زیادہ بولی لگانے والا شخص صفوان بن امیہ تھا۔ جو ابوسفیان کے بعد مکہ کا سب سے بڑا سردار مانا جاتا تھا۔ اس نے ایک مسلمان حضرت عمر بن ثابت کو خرید لیا۔ جبکہ دوسرے مسلمان کو مکہ کے ایک اور سرکردہ شخص نے بھاری قیمت دے کر خرید لیا۔ اہلِ مکہ نے یہ دیکھا کہ دو مالدار لوگ دو مسلمانوں کو خرید کر اپنے طور پر قتل کرکے انتقام کی آگ بجھانا چاہتے ہیں تو انہوں نے احتجاج کیا کہ ہم نے بھی مسلمانوں کے ہاتھوں اذیت اٹھائی ہے۔ بدر و احد میں ہمارے عزیز و اقرباء بھی قتل ہوئے ہیں۔ ہمارا بھی حق بنتا ہے کہ ان دو مسلمانوں کو مرتے اور تڑپتے دیکھیں۔ تجویز پیش کی گئی کہ ان دونوں کو مکہ کے بڑے میدان میں قتل کیا جائے۔ صفوان بن امیہ نے کہا کہ میں نے اس مسلمان کے لئے بھاری رقم ادا کی ہے۔ لہذا مرنے کے بعد اس کے سر کی بولی لگاؤں گا تاکہ جو بھی چاہے اس کے سر کو خرید لے اور اس کاسۂ سر کو پانی پینے کے لئے استعمال کرے۔

جس شخص نے سب سے زیادہ قیمت لگائی تھی جب وہ سر تن سے جدا کرنے کے لئے جنازے کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ حضرت عمیر شہید کے جسم پر سنہرے رنگ کی بے شمار بھڑیں جمع ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں دوسری بھڑیں جنارے کے اردگرد منڈلارہی ہیں۔ حضرت عمیرؓ کا سر خریدنے والا سنہری بھڑوں کی فوج دیکھ کر خوفزدہ ہوگیا اس نے اپنے دل میں کہا کہ رات کو یہ بھڑیں چلی جائیں گی تو سر کاٹ کر لے جاؤں گا۔ لیکن غروب آفتاب کے بعد سیاہی پھیلی اور موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ بارش اتنی زیادہ برسی کہ سیلاب آگیا۔ نہیں معلوم کس مقام پر پانی حضرت عمیرؓ کی لاش کو بہا کر لے گیا۔

اس وقت کے سنگدل اہل مکہ دوسرے مسلمان کو شہر سے باہر لے گئے اور اسے مصلوب کردیا۔

سن ۶۲۵ء جون کے مہینے (۳ ھجری) میں چالیس افراد پر مشتمل مسلمانوں کا ایک دستہ مدینہ سے تبلیغ دین کے لئے روانہ ہوا اور "معونہ" نامہ کنویں کے پاس کفار نے ان پر حملہ کردیا۔ مسلمانوں نے آخری دم تک مزاحمت کی اور سب کے سب شہید ہوگئے۔

منافق

قریشِ مکہ نے مدینہ پر سیاسی تسلط قائم کرنے کے لئے یہودیوں کے ساتھ جنگی معاہدہ کیا اور بنی فزارہ اور غطفان قبیلوں کو بھی اپنا اتحادی بنالیا۔ طے یہ پایا کہ اس سال کھجوروں کی ساری فصل قبیلہ غطفان اور بنی فزارہ کو دے دی جائے اور اس کے بدلے میں وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف قریش مکہ اور یہودیوں کی مدد کریں گے۔ مدینہ کے مشرق میں قبیلہ بنو سلیم آباد تھا۔ قریش نے اس قبیلہ کو بھی اپنے ساتھ ملالیا اور اس کے علاوہ دو اور قبیلے جن کا نام کنان اور ثاقف تھا قریش کے اتحادی بن گئے اور یوں ان کے بزعم خود مدینہ پر قریش کا سیاسی تسلط قائم ہوگیا اور بہت جلد یہ سیاسی محاصرہ ایک مکمل اقتصادی پابندی میں تبدیل ہوگیا۔ اس صورتحال میں مدینہ کے تجارتی قافلے شمال جنوب اور مشرق کی طرف نہیں جاسکتے تھے۔ شام کی سرحد کے نزدیک اب ایک ہی شہر دومۃ الجندل ایسا تھا کہ جس سے تجارتی قافلے گزر سکتے تھے اور وہاں کے حکمران نے

بھی مسلمان قافلوں پر پابندی لگادی۔ مسلمان تاجروں کے لئے ضروری تھا کہ مدینہ کے شہریوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے یہ راستہ استعمال کریں۔ مدینہ کی سیاسی اور اقتصادی ناکہ بندی مکمل ہونے کے بعد اتحادیوں اور جملہ منافقوں کے سربراہ عبد اللہ بن ابی نے پیغمبر اسلامؑ اور عام مسلمانوں کے خلاف ایک نئی سازش کا منصوبہ بنایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے سے باہر بلایا جائے اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں نہ ہوں تو اچانک حملہ کرکے مسلمانوں کا قتلِ عام کردیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے قبیلہ بنو مصطلق کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب پتہ چلا کہ بنو مصطلق کا قبیلہ مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو جوابی کاروائی کا فیصلہ صادر کردیا۔ ادھر منافقوں کا سربراہ عبد اللہ بن ابی مسلمانوں کے قتل کی تدبیر کررہا تھا۔ ادھر اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک گروہ کی قیادت اس کے سپرد کی اور اپنے ہمراہ محاذ جنگ پر لے گئے۔ اس طرح منافقوں کی جماعت مدینہ میں سربراہ کے بغیر رہ گئی۔ اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ نکلا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیر موجودگی میں مدینہ پر

حملہ کا منصوبہ ناکام ہوگیا۔

اس سفر میں کل تیس افراد تھے۔ جن میں دس افراد مہاجر اور بیس انصار تھے۔ جبکہ بنو مصطلق کا لشکر دو سو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ قبیلہ بنو مصطلق کے دس افراد موت کے گھاٹ اتر گئے اور پورا قبیلہ اسیر ہوگیا۔ اس جنگ میں ایک مسلمان شہید ہوا۔

خندق والی جنگ

دومتہ الجندل کے حکمران نے شام اور بین النہرین کو جانے والے مدینہ کے کاروانوں پر پابندی عائد کرکے اہلِ مدینہ کا اقتصادی گلا جکڑ رکھا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہزار افراد کے ساتھ دومتہ الجندل کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں قبیلہ غطفان کے سربراہ سے ملاقات کی تاکہ جنگ کی صورت میں اسے غیر جانبدار رہنے کی ترغیب دے سکیں۔ رئیس نے کہا کہ وہ قریشِ مکہ اور خیبر کے یہودیوں کا اتحادی ہے۔ معاہدہ کے تحت وہ مدینہ پر ہونے والے متوقع حملہ میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ ان کی مدد کرے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکوائری کروائی اور جب معلوم ہوا کہ یہ اطلاع درست ہے تو آپؐ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ جنگی سازوسامان سے لیس قریش کی فوج دس ہزار تھی۔ معزز صحابی سلمان فارسیؓ نے بتایا کہ عجم میں قلعے یا شہر کا دفاع کرنے کے لئے اس کے گردونواح میں خندق کھودی جاتی ہے۔ خندق کی گہرائی اور چوڑائی اتنی ہوتی ہے کہ

دشمن کی پیادہ یا سوار فوج اسے پھلانگ نہ سکے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خندق کھودنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور حکم دیا کہ مدینہ شہر اور مدینہ کے مضافات میں پھیلے ہوئے کھیت اور باغات کی ساری پیداوار مدینہ کے گوداموں میں ذخیرہ کردی جائے۔ مدینہ کے تمام مسلمان مرد اور عورتیں حتیٰ کہ جواں سال لڑکے اور لڑکیاں اور جو بھی بیلچہ اور کدال اٹھانے کے قابل تھے خندق کھودنے میں مصروف ہوگئے۔ چھ کلومیٹر لمبی خندق کھودنے کے لئے مسلمانوں نے روز و شب محنت کرکے ایثار و وفاداری کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دن رات کام کیا اور دوسروں کا ہاتھ بٹایا۔ کبھی کدال چلاتے اور کبھی مٹی ڈھونے میں مصروف ہوجاتے۔ مسلمان دس دس کی ٹولیوں میں خندق کھود رہے تھے۔ جب دس افراد اپنا مقررہ کام قبل از وقت پورا کرلیتے تو رضاکارانہ طور پر دوسروں کے کام میں شریک ہوجاتے تھے۔

خدا وحدہ لاشریک کی منکر دس ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل مکہ کی فوج جب مدینہ کے قریب پہنچی تو خندق مکمل ہوچکی تھی۔ مشرکین کی فوج مدینہ پہنچی تو موسم بدل رہا تھا۔ سپاہیوں کو خیموں میں سردی لگ رہی تھی۔ مسلمان بھی جو خندق کے

مختلف مقامات پر نگہبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے سردی کی وجہ سے تکلیف میں تھے۔ ابوسفیان خندق سے گزرنے اور مدینے پر حملہ کرنے میں جب ناکام رہا تو اس نے یہودیوں سے رابطہ قائم کرلیا۔ مسلمانوں کو جب پتہ چلا کہ بنو قریظہ اور قریش مکہ کے درمیان جنگی معاہدہ ہونے والا ہے تو انہیں تشویش ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ہم خطرے میں ہیں۔ اگر بنو قریظہ پشت سے اور قریش سامنے سے حملہ کردیں تو ہمیں بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے ہم فتح حاصل نہ کرسکیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی سکون اور یقین سے فرمایا۔ "مشرکوں کو یہودیوں کی کمک پر بھروسہ ہے۔ جبکہ میں اللہ کی مدد پر یقین رکھتا ہوں۔ یقین رکھو! اللہ ہمیں بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا۔" حالات کچھ ایسے بنے کہ بنو قریظہ اور قریش کے درمیان بدگمانی اور عدم اعتماد کی فضا پیدا ہوگئی اور مسلمانوں کے خلاف متحد نہیں ہوسکے۔

خندق کے پار، جب دس ہزار فوج کو پڑے ہوئے دو ہفتے گزر گئے تو غذا اور مویشیوں کی خوراک کا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ فوج کا سپہ سالار پریشان تھا کہ اگر خوراک کا انتظام نہ ہوا تو بغاوت ہوجائے گی اور سپاہی آپس میں لڑ مریں گے۔ ابھی مسئلہ کا

کوئی حل سامنے نہیں آیا تھا کہ رات کو اتنی تیز آندھی آئی کہ خیمے اکھڑ گئے۔ خیمے ہوا میں غباروں کی طرح اڑنے لگے۔ آگ بجھ گئی تو شدید سردی ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ پانی کا سیلاب آ گیا۔ ابوسفیان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ اس نے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ خود ابوسفیان کو بھاگنے کی اتنی جلدی تھی کہ جب وہ اونٹ پر بیٹھا تو اسے اتنا ہوش نہیں تھا کہ اونٹ بندھا ہوا ہے۔ وہ اونٹ کو بھگانے کے لئے پے در پے تازیانے مار رہا تھا۔ مشرکوں کی فوج مدینے کا محاصرہ چھوڑ کر الٹے پاؤں بھاگ گئی۔

اگرچہ جنگ ختم ہوچکی تھی۔ دشمنانِ اسلام کی فوج جاچکی تھی۔ لیکن مدینہ کا اقتصادی اور معاشی محاصرہ جاری تھا۔

حدیبیہ

ایک رات سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب دیکھا کہ آپؐ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ ادا کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب تمام مسلمانوں کے ساتھ مکہ جانے کا عزم کیا تو صحابہ نے پوچھا، کیا آپؐ کا ارادہ ہے کہ مکہ پر حملہ کردیا جائے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا، نہیں ہم صرف عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ جارہے ہیں۔ ہجرت کے چھٹے سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دو ہزار (۲۰۰۰)[1] ساتھیوں کے ہمراہ مکہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ اس بار مسلمانوں کے قافلے میں کئی سو اونٹ بھی شامل تھے۔

سردارانِ قریش کے لئے یہ وقت بہت سخت تھا۔ وہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھے۔ اگر اجازت دے دی جائے کہ مسلمان کئی سو اونٹوں کے ہمراہ شہر میں داخل ہوجائیں تو یہ اندیشہ تھا کہ وہ مکہ پر قبضہ کرلیں گے۔ اگر دو ہزار مسلمان مکہ میں داخل

[1] عام روایت ۱۴۰۰ افراد کی ہے۔

ہوجائیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جب وہ وہاں سے نکلیں گے تو دو ہزار سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خدشات اور اندیشوں کو دور کرنے کے لئے ایک ایلچی بھیجا جو قریش مکہ کو بتائے کہ مسلمان لڑائی کے لئے نہیں آئے۔ ان کا مقصد صرف کعبہ کی زیارت کرنا ہے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، اگر مسلمان جنگ کے لئے آتے تو ہتھیار پہن کر آتے۔ لیکن سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایلچی مکہ نہ پہنچ سکا۔ دو سو سواروں کا دستہ جس کی قیادت عکرمہ ابنِ ابوجہل کررہا تھا، راستہ میں مزاحم ہوا اور مسلمانوں کو پکڑ لیا۔ ان کے جتنے اونٹ تھے۔ ان کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ ایلچی اور اس کے ساتھی اونٹوں سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے بعد ریگستان میں بھٹک گئے۔ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہوجائیں خدائی مدد سے مسلمانوں کے قافلے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔

"ذوالحلیفہ" کے مقام پر مسلمانوں نے قربانی کے اونٹوں پرنشان لگانے کی رسم ادا کی۔ مسلمانوں نے اسی مقام پر عمرہ کے لئے احرام باندھے اور مکہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے ہر قسم کے ٹکراؤ سے بچنے کے لئے ذوالحلیفہ کا پہاڑی علاقہ اختیار کیا اور مکہ کی جانب اپنا سفر جاری رکھا۔ پھر ذوالحلیفہ کی سرزمین سے گزرنے کے بعد وہ لوگ ایک انتہائی تنگ اور دشوار گزار پہاڑی علاقے میں داخل ہوئے جہاں سے اونٹوں کا گزرنا مشکل اور خطرناک تھا۔ اس پہاڑی علاقے میں مسلمانوں کو سورج کی حدت اور پیاس کی شدت کی وجہ سے بہت تکلیف ہوئی۔ لیکن انہوں نے کسی نہ کسی طرح راستہ طے کرلیا۔ اور ایسے علاقے میں داخل ہوگئے جو "حدیبیہ" کے نام سے مشہور تھا۔ حدیبیہ مکہ سے گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے مکہ شہر پوری طرح نظر آتا ہے۔ مکہ کے رہنے والے لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ان کے سینے میں دل تڑپ اٹھا کہ تھوڑی دیر بعد وطن کی مٹی کی سوندھی خوشبو سے جسم و جان معطر ہوجائیں گے۔

لیکن ٹھیک ایسے لمحات میں جبکہ مسلمان احترام کے جذبے اور والہانہ عشق سے مکہ پہونچنے کی تمنا کررہے تھے پیغمبر اسلامؐ کا اونٹ جس کا نام ثعلب تھا چلتے چلتے رکا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اونٹ کو اٹھانا چاہا وہ اٹھ گیا لیکن اٹھنے کے بعد دو قدم پیچھے ہٹا اور دوبارہ زمین پر بیٹھ گیا۔ سیدنا

علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹ سے اتر آئے اور مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا خدا کی مرضی یہی ہے کہ ہم لوگ اس جگہ قیام کریں۔ رسول اللہؐ کا یہ ارشاد سن کر سارے مسلمان اونٹوں سے اتر آئے۔ لیکن وہ بہت غمگین اور دل گرفتہ تھے۔ انہیں توقع نہ تھی کہ مکہ کی حدود میں داخل ہوکر، مکہ سے باہر ٹھہرنا پڑے گا۔ یہ جگہ حدیبیہ کے علاقے میں تھی۔ موسم بہار میں پانی یہاں وافر مقدار میں ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت وہاں پانی نہیں تھا۔

مسلمانوں نے اللہ کے محبوب دوست پیغمبر السلام رسول اللہؐ سے عرض کیا، یارسول اللہؐ! ہمارے ساتھ کئی سو اونٹ ہیں اور ہم تقریباً دو ہزار افراد ہیں۔ یہاں پانی نہیں ہے۔ ایسے خشک علاقے میں کیسے رہیں گے؟ آپؐ کی خدمت میں ہماری گزارش ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں پانی میسر ہو۔

رسول اللہؐ نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، "اے خالق و مالک اللہ! اگر تو پانی مہیا نہ کرے تو مسلمان بے اختیار حرم میں داخل ہوجائیں گے۔" آپؐ نے وہاں موجود متروک اور خشک کنویں

میں اپنے تیر کش میں سے ایک تیر گاڑنے کا حکم دیا۔ تیر گاڑتے ہی کنویں میں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔

محمد الرسول اللہؐ کی آمد کی خبر سن کر قریش کے لوگ اس الجھن میں پھنس گئے کہ اگر ہم مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، جزیرۃ العرب کے لوگ مخالف ہوجائیں گے۔ عرب قبائل یہ سمجھیں گے کہ ہم خانہ کعبہ کے مالک بن بیٹھے ہیں اور حج و عمرہ اور زیارتِ کعبہ اب قریش کی مرضی سے ہوگا اور اگر محمدؐ کے بڑے قافلے کو مکہ میں آنے دیتے ہیں تو سارے عرب میں سبکی ہوگی کہ محمدؐ ہم پر غالب آگئے۔

اس مخدوش صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو سفیر مقرر کیا تاکہ وہ حدیبیہ جاکر محمدؐ سے مذاکرات کرے۔ عروہ بن مسعود نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا کہ تم لوگ کس مقصد سے آئے ہو؟ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ ہم خانہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ لڑنے اور جھگڑا کرنے نہیں آئے۔ عروہ بن مسعود کو قربانی کے وہ اونٹ دکھائے جن پر قربانی کے نشان لگے ہوئے تھے۔ گفتگو کے دوران عروہ نے بڑی بدتمیزی سے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ اقدس کو

ہاتھ لگایا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے غضبناک ہوکر تلوار کی نوک اس کے ہاتھ میں چھبوئی اور بولے، گستاخی نہ کر ادب سے بات کر۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عروہ سے کہا، اے عروہ! اگر تو ایلچی نہ ہوتا تو اس گستاخی کی سزا میں ہم تجھے موت کی نیند سلا دیتے۔

عروہ بن مسعود جب قریش کے پاس پہونچا تو اس نے قریش کے بزرگوں سے کہا:

"میں نے روم کا دربار، حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا دربار دیکھا ہے۔ لیکن جو وفاداری اور جاں نثاری مسلمانوں کے دلوں میں محمدؐ کے لئے ہے وہ مجھے قیصر اور نجاشی کے لئے نظر نہیں آئی۔"

عروہ بن مسعود کے بعد ایک اور شخص قریش کے سفیر کی حیثیت سے حدیبیہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے اونٹ ان کے ساتھ ہیں۔ واپس جاکر قریش سے کہا کہ میں نے قربانی کے اونٹوں کو دیکھا ہے۔ جن پر سلیقہ (قربانی کا مخصوص نشان) بنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے سنا کہ وہ حج کا مخصوص ورد پڑھ رہے تھے۔ لہذا اس میں کوئی شک و شبہ کی بات نہیں کہ وہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں اور میرے خیال میں ان کے اوپر پابندی نہیں لگانی چاہیئے۔

لیکن قریش مطمئن نہیں ہوئے۔

تیسری بار حلیس بن علقمہ کو بھیجا گیا۔ حلیس جب وہاں پہنچا تو سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"قریش کے نمائندے کو آزاد چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ جہاں جانا چاہے، جائے۔ جس سے چاہے ملاقات کرے اور جو چاہے دیکھے۔"

حلیس بن علقمہ نے بھی یہی دیکھا کہ سارے مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے لئے اپنے ساتھ اونٹ لائے ہیں۔ حلیس کو مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں کہیں جنگی ہتھیار نظر نہیں آئے۔ حلیس تیزی سے مکہ پہنچا اور قریش کے سامنے اپنے تاثرات بیان کرکے کہا:

"اے مکہ کے سردارو! میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان خانہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ ان کی نیت میں کھوٹ نہیں ہے۔ میرے خیال میں انہیں مکہ آنے کی آزادی ہونی چاہیئے۔ ہر شخص کو خانہ کعبہ کی زیارت کا حق ہے۔ خانہ کعبہ پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔"

قریش کے سردار مکہ میں مسلمانوں کے داخلہ پر رضامند نہیں ہوئے۔ تو حلیس ناراض ہوگیا۔ اور کہا "اگر تم نے محمدؐ اور

ان کے پیروکاروں کو مکہ میں آنے اور کعبہ کی زیارت سے روکا تو میں تم لوگوں سے علیٰحدہ ہو جاؤں گا اور تم بھی آج کے بعد مجھے اپنا اتحادی نہ سمجھنا۔"

قریش اپنی ضد پر اڑے رہے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قاصد فراش بن امیہ خزاعی کو مکہ بھیجا تاکہ وہ اہلِ مکہ کے خدشات کو دور کریں۔ قریش نے ان کو گرفتار کرلیا اور ان کے اونٹ کو مارڈالا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت عثمان غنیؓ کو قاصد بناکر مکہ بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے جب قریش سے ملاقات کی تو اہلِ قریش نے کہا کہ آپ ہمارے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ کعبہ کا طواف کریں اور عمرہ ادا کریں لیکن محمدؐ کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ خانہ کعبہ میں داخل ہوں۔ کور چشم قریش کی ضد اور ہٹ دھرمی سے مذاکرات ناکام ہوگئے۔ اس دوران مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کردیا گیا ہے۔

بیعتِ الرضوان

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ جو شخص اس میں شریک ہونا چاہتا ہے وہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے کہ آخری دم تک وفادار رہے گا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے دست حق پرست پر بیعت کرلی۔ آپؐ نے اپنے دائیں ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی بیعت کی۔

سورۃ فتح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ:

"اور جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے، وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے، اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے، پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے بُرے کو اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا اللہ سے، دے گا اس کو اجر بڑا۔" (آیت نمبر۱۰)

"بیعت الرضوان" کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر درست نہ تھی۔

دو دن دو رات کے طویل مذاکرات کے بعد "سہیل بن عمرو" کو ایک وفد کی قیادت سونپ کر قریش مکہ نے حدیبیہ بھیجا تاکہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ضروری مذاکرات کرے۔ مسلمانوں اور اہلِ مکہ کے درمیان "عدم جارحیت" کا معاہدہ کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور ان سے کہا کہ وہ معاہدے کی دستاویز تیار کریں۔ حضرت علیؓ نے لکھنا شروع کیا۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سہیل بن عمرو نے فوراً ٹوکا اور بولا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ علی کو "باسمک اللھم" لکھنا چاہیئے۔ کیونکہ قدیم زمانے سے ہم عربوں کے تمام معاہدے اسی نام سے شروع ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے اگلا فقرہ لکھا "یہ معاہدہ ہوا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو کے درمیان۔ لیکن سہیل بن عمرو نے ایک بار پھر اعتراض کیا اور کہا کہ یوں مت لکھو کیونکہ ہم محمدؐ کو خدا کا رسول نہیں مانتے اور اگر مانتے تو مکہ میں آنے سے کیوں روکتے؟ لہذا اس معاہدے کا آغاز یوں ہونا چاہیئے، "یہ معاہدہ منعقد ہوتا ہے محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو کے

درمیان۔" حضرت علیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا اور آپؐ نے کہا۔ "یاعلی وہی لکھو جو سہیل کہتا ہے تاکہ اس کی رضامندی حاصل رہے۔" معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"باسمک اللھم۔ یہ معاہدہ منعقد ہوتا ہے محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان اور اس معاہدے کی رو سے قریش یہ منظور کرتے ہیں کہ آئندہ دس سال تک مسلمانوں اور اہلِ مکہ کے درمیان جنگ نہیں ہوگی اور ان دس سالوں میں اگر کوئی شخص قریش کی اجازت کے بغیر مسلمانوں سے آملے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اسے قریش کے حوالے کردیں لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں سے علیحدہ ہوکر قریش کے پاس آجائے تو وہ اسے مسلمانوں کے حوالے نہیں کریں گے۔ متارکہ جنگ کے ان دس سالوں میں نہ کوئی فریق دوسرے کی جان اور مال پر تعرض کرے گا اور نہ ہی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ اس دس سالہ مدت میں قریش کو اجازت ہوگی کہ جس کے ساتھ چاہیں عہد و پیمان باندھیں اور آزادانہ معاہدہ کریں اور اپنی مرضی سے راہ و رسم بڑھائیں۔ مسلمانوں کو اس سال مکہ میں داخل ہونے اور کعبہ کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی لیکن اگلے سال وہ کعبہ کی زیارت کے لئے آسکتے ہیں۔ تاہم شرط یہ ہے کہ تین

دن سے زیادہ مکہ میں نہیں ٹھہریں گے اور تلوار کے علاوہ کوئی دوسرا ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لائیں گے۔

یہ معاہدہ ہجرت کے ساتویں سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قریش مکہ کے درمیان ہوا۔ سبھی مسلمان قریش کی طرف سے لگائی ہوئی پابندی سے دل گرفتہ تھے اور اسے اپنی توہین سمجھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے اور سوال کیا۔ یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے؟ حضورؐ نے جواب دیا تم انشاء اللہ مکہ ضرور جاؤگے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی سعادت حاصل کروگے۔

معاہدہ حدیبیہ پر دستخط ہونے کے دو دن بعد ابوجندل[1] مکہ سے بھاگ نکلے اور حدیبیہ پہنچ کر مسلمانوں سے آملے۔ ابوجندلؓ کے حدیبیہ پہنچتے ہی سہیل بن عمر بھی وہاں آگیا اور مسلمانوں کو مخاطب کرکے بولا، ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدے کی رو سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھوں بھاگ نکلے اور تمہاری پناہ میں آجائے تو تمہارا یہ فرض ہے کہ اسے ہمارے حوالے کردو۔ لہذا میرے لڑکے ابوجندل کو میرے حوالے کیا جائے۔ چنانچہ

[1] ابو جندل مسلمان ہوگئے تھے لیکن ان کے باپ کو معلوم نہیں تھا۔

آپؐ نے بادل نخواستہ ابوجندلؓ کو ان کے باپ کے حوالے کردیا۔ ابوجندل نے ملتجی ہوکر کہا، یارسول اللہؐ! میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا، ابوجندل ڈرو نہیں اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ لیکن اس واقعہ سے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور کعبہ کی زیارت سے محروم ہونے کے بعد ان کے اعصاب پر یہ دوسری کاری ضرب تھی۔ لیکن بیعتِ رضوان نے انہیں بے قابو نہ ہونے دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ دیکھا کہ عام مسلمان بہت ملول اور رنجیدہ ہیں تو آپ نے انہیں جمع کرکے سورۃ فتح کی آیات سنائیں:

ترجمہ:

"اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے، جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر جانا جو ان کے جی میں تھا، پھر اتارا ان پر چین اور انعام دی ان کو ایک فتح نزدیک۔" (آیت نمبر١٨)

صلح نامہ کے بعد سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ قربانی کے جانور ذبح کردو اور سرمنڈوا کر احرام کھول دو۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مرتبہ حکم دیا مگر

صحابہ کرامؓ اس قدر غمگین، شکستہ دل اور رنج و غم میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس موقع پر بہت رنجیدہ ہوئے اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے اپنے دکھ کا اظہار کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ اپنا اونٹ ذبح کرکے سرمنڈوالیں مسلمان آپؐ کی پیروی کریں گے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قربانی کرکے سرمنڈوا لیا تو صحابہ کرامؓ نے قربانیاں دیں اور سرمنڈوا کر احرام سے نکل آئے۔

صحرا میں اسلامی فوج

عام مسلمان معاہدہ کے دیرپا اثرات کو نہ سمجھ سکے تھے۔ جب وہ اپنے سرمنڈوانے اور احرام سے نکلنے کے بعد سوئے مدینہ روانہ ہوئے تو بہت غمزدہ اور دل گرفتہ تھے۔ ایسی حالت میں جب کہ مسلمان دلوں میں درد چھپائے مدینہ کی جانب گامزن تھے راستے میں ایک اور مسلمان ابوبصیرؓ نے جو مکہ سے بھاگ نکلے تھے مسلمانوں سے پناہ کی درخواست کی۔ ابوبصیرؓ ابھی اطمینان کا سانس نہ لینے پائے تھے کہ قریش کے دو افراد بھی وہاں پہونچ گئے اور مطالبہ کیا، "یا محمدؐ! معاہدے کی رو سے ابوبصیرؓ کو ہمارے حوالے کیا جائے۔"

حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا وہ آگے بڑھ کر بولے، "یارسول اللہؐ! اس مرتبہ آپ اس شخص کو واپس نہ بھیجیں۔ یہ ہم سے پناہ مانگنے آیا ہے۔ اگر ہماری جان بھی چلی جائے تو اسے قریش کو نہ دیں گے"۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ ہم ایفائے عہد کے پابند ہیں۔ یہ جواب سن کر مکہ سے آئے

والے دو آدمیوں نے مسلمانوں کے سامنے ابوبصیرؓ کو اونٹ کی پیٹھ پر باندھا اور روانہ ہوگئے۔

ابوبصیرؓ نے راستے میں اپنی رسیاں توڑ ڈالیں اور رہائی پانے میں کامیاب ہوگئے۔ ابوبصیرؓ نے دو میں سے ایک شخص کو موت کی نیند سلا دیا۔ جبکہ دوسرا جان بچا کر بھاگ گیا۔ ابوبصیرؓ دوبارہ مسلمانوں سے آملے اور ان سے پناہ کی درخواست کی۔ اگلے روز زندہ بچ جانے والا شخص مسلمانوں کے قافلے تک پہونچ گیا اور ابوبصیرؓ کا مطالبہ کرنے لگا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ ابوبصیرؓ کو اس شخص کے حوالے کردیا جائے۔ لیکن اس سے پہلے کہ قریش کا نمائندہ ابوبصیرؓ کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے جائے وہ اس کے ہاتھوں سے نکل کر فرار ہوگئے۔ انہوں نے مکہ جانے کے بجائے ریگستان میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔

ابوبصیرؓ ذوالمروہ کے مقام پر پناہ گزین ہوگئے۔ کچھ دنوں کے بعد ابوجندلؓ بھی مکہ سے فرار ہوگئے اور ذوالمروہ پہنچ کر ابوبصیرؓ سے آملے اور پھر ایک اور مسلمان جن کا نام عتبہ بن اسد تھا مکہ سے بھاگ کر ذوالمروہ پہنچے۔ رفتہ رفتہ دوسرے مسلمان بھی مکہ سے نکل کر وہاں پہنچنا شروع ہوگئے اور ایک اسلامی گروہ تشکیل پا گیا۔

حدیبیہ کا معاہدہ ہوئے ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ ذوالمروہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ فوج بن گئی۔ وہ مکہ جانے والے کاروانوں کا راستہ روک کر ان سے مالِ غنیمت حاصل کرنے لگے۔ ذوالمروہ کے مسلمانوں نے کچھ اس طرح قریش کو ناک چنے چبوا دیئے کہ انہوں نے عاجزو لاچار ہوکر خود ہی پیغمبر السلامؑ سے درخواست کی کہ وہ مکہ سے بھاگ کر ذوالمروہ میں جمع ہونے والے مسلمانوں کو مدینہ بلوالیں۔

اس سال خشک سالی کی وجہ سے مکہ قحط سالی میں آگیا۔ قبیلہ یمامہ کی سرزمین اشیائے خوردو نوش کا انبار سمجھی جاتی تھی اور قبیلہ یمامہ کے سارے افراد مسلمان ہوچکے تھے۔ قبیلہ کے سربراہ نے مکہ والوں سے تجارت پر پابندی عائد کردی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یمامہ کے سربراہ کو ہدایات جاری کیں کہ وہ اہل مکہ کو اشیائے خوردنی فروخت کرنے پر پابندی نہ لگائے۔ اس کے علاوہ پیغمبر اسلامؑ نے پانچ سو سونے کے سکے مکہ بھجوائے تاکہ وہاں کے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کردیئے جائیں۔

پانچ سو سکوں کے علاوہ بہت زیادہ وزن میں کھجوریں ابوسفیان کو بھجوائیں اور پیغام دیا کہ ان کھجوروں کی قیمت کے برابر چمڑے یا کھالوں کا تبادلہ کرسکتا ہے۔ ابوسفیان نے

کوشش کی کہ کھجوریں واپس کروالے لیکن وہ ایسا نہ کرسکا۔ کیونکہ اہلِ مکہ کو کھجوروں کی آمد کا علم ہوچکا تھا۔ وہ بھوک سے نڈھال تھے۔ ابوسفیان نے بادلِ نخواستہ کھجوریں قبول کرلیں اور ان کی جگہ چمڑا روانہ کردیا۔ دوسری طرف جب مکہ کے عام باشندوں کو پتہ چلا کہ یہ کھجوریں محمدؐ کی جانب سے بھیجی گئی ہیں تو پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں ان کے اندر نیک جذبات پیدا ہوئے۔

خیبر کی فتح

مسلمانوں اور اہلِ مکہ کے درمیان صلحِ حدیبیہ کے معاہدے کے باوجود خیبر کے یہودیوں نے اپنی عداوت بھرے طور طریقے نہیں بدلے۔ وہ لوگ بدستور مسلمانوں کے تجارتی قافلوں کو خیبر کے مضافات سے گزرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے تاکہ مسلمان شمالی ملکوں سے اقتصادی رابطہ قائم نہ کرسکیں۔

یہود کی ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے کے لئے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کیا کہ خیبر کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ خیبر میں آٹھ جنگی قلعے تھے۔ اسلامی فوج کے سپہ سالار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تھے۔ لیکن خیبر کی خراب آب و ہوا کی وجہ سے حضورؐ بیمار ہوگئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فوج کی کمان سنبھال لی اور یہودیوں پر حملہ کیا۔ لیکن شدید مزاحمت کے باعث کامیابی نہیں ہوئی۔ خراب موسم سے حضرت ابوبکرؓ بھی متاثر ہوئے اور وہ بھی بیمار ہوگئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی جگہ حضرت عمرؓ کو فوج کی قیادت سونپ دی۔ مگر

مضبوط قلعوں پر کوئی ضرب نہیں پڑسکی۔ حضرت عمرؓ بھی بیمار ہوگئے۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوج کی قیادت سنبھالنے کے لئے حضرت علیؓ کو بلوایا۔ وہ آشوبِ چشم (آنکھوں کے درد) میں مبتلا تھے اور ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کرلی اور نطات نامی قلعہ پر چڑھائی کردی۔ قلعہ نطات پر غلبہ پانے کے بعد حضرت علیؓ نے ناعم نامی قلعہ کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جنگِ خیبر کے دوران حضرت علیؓ نے دس دنوں میں چار قلعوں کو تسخیر کیا۔ جبکہ بقیہ قلعوں کے رہنے والوں نے خود ہی ہتھیار ڈال دیئے۔

خیبر کی فتح میں مسلمانوں کو وافر مقدار میں غنیمت حاصل ہوئی۔ اس میں ہتھیار اور خوردنی اشیاء وافر مقدار میں تھیں۔ فتح خیبر کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے یہودیوں کے ساتھ مہربانی اور عفو و درگزر فرمایا۔ انہیں اجازت دے دی گئی کہ چاہیں تو خیبر چھوڑ کر چلے جائیں اور اپنے ساتھ گھریلو سامان لے جاسکتے ہیں۔ کھجوریں، بھیڑیں اور دوسرا غلہ لے جانے کی اجازت نہیں۔

جو یہودی خیبر چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے انہیں وہاں رہنے کی اجازت مل گئی اور یہ رعایت بھی حاصل ہوگئی کہ وہ

اپنا سابقہ کاروبار جاری رکھ سکتے ہیں۔ یہودیوں کی تمام مقدس کتابیں۔اور دوسرے اہم کاغذات بھی لوٹا دیئے گئے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات اتنے اچھے ہوگئے کہ ایک یہودی عورت نے اعلان کیا کہ میں اپنے ہاتھوں سے کھانا پکا کر پیغمبر اسلامؐ کے لئے بھیجوں گی۔ اس عورت کا نام زینب بن حرث تھا۔ اس نے ایک دنبہ ذبح کروایا اور دونوں رانیں بریان کرتے وقت ان میں زہر ملا دیا اور وہ کھانا پیغمبرِ اسلامؐ کو بھجوادیا۔ جب بریان شدہ گوشت سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش کیاگیا تو آپؐ کے پاس ایک صحابی بیٹھے تھے جن کا نام بشیرؓ بن براء تھا۔ بشیرؓ بن براء نے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا، چبایا اور نگل گئے لیکن پیغمبرِ اسلامؐ نے پہلا لقمہ چباتے ہی گوشت تھوک دیا اور بشیرؓ بن براء کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا، "یہ گوشت مت کھاؤ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔" بشیرؓ بن براء گوشت کا جو ٹکڑا نگل چکے تھے اس نے اپنا اثر دکھایا اور جلد ہی ان کی موت واقع ہوگئی۔ زینب بن حرث کو گرفتار کرلیا گیا اور اس سے پوچھا گیا، "کیا زہر آلود گوشت تم نے بھیجا تھا؟" اس عورت نے اعتراف کرلیا اور کہا، "میں نے یہ سوچ کر گوشت میں زہر ملایا تھا کہ اگر محمدؐ فرستادہ خدا ہیں اور خدا کے سچے نبی ہیں تو وہ اس گوشت کو

ہرگز تناول نہیں کریں گے اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ لیکن اگر وہ اللہ کے رسول نہیں ہیں تو گوشت کھاکر مر جائیں گے۔"

مکہ میں تین روز

ہجرت کے ساتویں برس سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دو ہزار اصحاب کے ہمراہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ روانہ ہوئے۔ چونکہ سارے مسلمان زیارت کے غرض سے مکہ جارہے تھے لہذا ان کے پاس سوائے تلوار کے کوئی اور اسلحہ نہیں تھا۔ اس زمانے میں تلوار جنگی اسلحہ نہیں عربوں کے لباس کا حصہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود مسلمان جب مکہ میں داخل ہوئے، خوفزدہ قریش مکہ سے نکل کر آس پاس کی پہاڑیوں پر چلے گئے۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے سو سواروں پر مشتمل ایک حفاظتی رسالہ جس کی قیادت محمد بن مسلمہؓ کررہے تھے مکہ کے مضافات میں "مرالظہران" نامی جگہ پر متعین کردیا اور محمد بن مسلمہؓ کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم دیکھو کہ بت پرست ہم پر حملہ آور ہوگئے ہیں تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہماری مدد کو آنا ورنہ واپسی تک وہیں پر ٹھہرے رہنا۔

مکہ کی نواحی پہاڑیوں سے بت پرست مسلمانوں کے مکہ میں داخلے کا نظارہ کررہے تھے۔ ان کے اخلاص اور نظم و ضبط کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ مناسکِ حج کے اختتام پر پیغمبرِ اسلامؐ نے قریش کے ساتھ مزید انس و الفت بڑھانے کے غرض سے مکہ کی ایک معزز خاتون میمونہ بنتِ حارث سے نکاح کیا اور مکہ میں قیام کے تیسرے روز قریش کی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔

قریش کو جب یہ معلوم ہوا کہ ضیافت کا اہتمام کیا جارہا ہے تو ایک وفد پیغمبرِ اسلامؐ کے پاس پہنچا اس نے کہا، "اے محمدؐ! آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فوری طور پر مکہ سے نکل جائیں کیونکہ معاہدے کی رو سے آپ لوگ تین دن تک مکہ میں ٹھہر سکتے ہو اور آج یہ مدت ختم ہورہی ہے۔"

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدے کا پاس رکھتے ہوئے دعوت منسوخ کردی۔

حق آیا اور باطل مٹ گیا

۱۰ رمضان المبارک آٹھ ہجری کو اسلامی لشکر مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ سپاہیوں نے الگ الگ الاؤ روشن کئے جس سے تمام صحرا روشن ہوگیا۔

قریش کو اسلامی لشکر کے پڑاؤ کی خبر ملی تو ابوسفیان، بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام کے ساتھ جائزہ لینے کے لئے مرالظہران پہونچے تو محافظ دستہ نے انہیں گرفتار کرلیا۔ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف کردیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق، رحمت و اخلاص سے متاثر ہوکر یہ تینوں مسلمان ہوگئے۔

حضرت عباسؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ ابوسفیان چونکہ اسلام میں داخل ہوگیا ہے اسے اعزاز سے نواز دیں۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

جو مسجد الحرام میں داخل ہوجائے .... اسے امان ہے۔

جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے ..... اسے امان ہے۔

جو اپنا دروازہ بند کرلے .... اسے امان ہے۔

مکہ میں داخل ہونے والے پہلے دستہ کی قیادت حضرت علیؓ نے کی ان کے ہاتھوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مخصوص پرچم لہرا رہا تھا۔ دوسرا دستہ زبیر بن عوامؓ کی قیادت میں مغرب کی جانب سے مکہ میں داخل ہوا۔ سعد بن عبادہ انصاریؓ مشرق کی طرف مکہ میں داخل ہونے والے تیسرے دستے کی سربراہی کررہے تھے۔ چوتھے دستے کی قیادت خالد بن ولیدؓ نے کی جو جنوب سے مکہ میں داخل ہوا۔ سعد بن عبادہؓ جب مکہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے بے اختیار ہوکر یہ بانگ لگادی۔ "آج کا دن حملہ کا دن ہے اور آج حرمت ختم ہوگئی۔" جب یہ خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا، کہ سعد بن عبادہؓ نے غلط کہا ہے آج کا دن کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ آج کعبہ کو لباس پہنانے کا دن ہے اور سعد بن عبادہ کو دستے کی سربراہی سے ہٹاکر ان کے بیٹے قیس بن سعد کو سپہ سالاری کے فرائض سونپ دیئے۔ سپاہِ اسلام کے سارے دستے کسی مزاحمت کے بغیر مکہ میں داخل ہوگئے۔ البتہ خالد بن ولید کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلامی لشکر کے چاروں دستے خانہ کعبہ

کے سامنے ایک دوسرے سے آملے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفید اونٹنی پر سوار ظاہر ہوئے اور آپؐ نے سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور خانہ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کو امر کیا کہ وہ کعبہ کا دروازہ کھول دے۔ اس روز پانچ مسلمان خانہ کعبہ میں آئے۔

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

۲۔ حضرت علیؓ

۳۔ عثمان بن زیدؓ

۴۔ حضرت بلالؓ

۵۔ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہؓ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوکر خطاب کیا۔ خطبے کے الفاظ یہ ہیں:

"اے مکہ کے باشندو! تم لوگ جنگ کے قانون سے آگاہ ہو اور جانتے ہو کہ عہد شکنی کی سزا کیا ہوتی ہے۔ اب جبکہ تم ہمارے مغلوب ہو مسلمانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ تم سب کو تہ تیغ کرڈالیں یا اپنا غلام بنالیں لیکن آج میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تم سب کی بخشش فرمادی ہے چنانچہ تم لوگ

آزاد ہو اور تمہاری جان و مال پر کوئی تعرض نہیں ہے۔ اے لوگوں! اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے انہیں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں مگر تقوی کے لحاظ سے۔ خدا کی نظر میں سارے انسان برابر ہیں لہذا دورِ جاہلیت کے وہ تمام اعزازات جو حسب و نسب اور قبیلہ و منصب کی بالادستی پر قائم تھے آج منسوخ کئے جاتے ہیں۔ جب پیغمبرِ اسلامؐ خطبے سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے "حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل نے مٹ جانا تھا" کا ورد کرتے ہوئے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے سب سے بڑے بت کو گرا دیا۔ پھر حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے کہا کہ تمام بتوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیں اور خانہ کعبہ کی اندرونی اور بیرونی تصویروں کو مٹادیں۔

فتح مکہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اور اسلام کے سخت دشمنوں کے مقابلے میں انتہائی نرمی اور فراخدلی کا مظاہرہ کیا اور انہیں عفو و بخشش سے نوازا۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک شخص عکرمہ بن ابوجہل تھا جو مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی اپنی جان کے خوف سے بھاگ گیا تھا۔ عکرمہ کی بیوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی اور اپنے

شوہر کے لئے امان طلب کی۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عکرمہ کی جاں بخش دی۔

اسلام کے انتہائی خطرناک دشمنوں میں ایک ابوسفیان کی بیوی تھی۔ اس عورت نے اسلام کے نامی گرامی سردار حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ ہندہ کو بھی رسول اللہؐ نے معاف کردیا۔

اسلام کا ایک بڑا دشمن صفوان بن امیہ عفو و درگزر سے بہرہ ور ہوا۔

فتح مکہ کے تیسرے دن سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ مسلمانوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ مکہ کے مضافات میں جائیں اور جہاں بھی بت نظر آئیں انہیں توڑ دیں۔ انہی لوگوں میں خالد بن ولیدؓ بھی شامل تھے۔ جنہیں یہ حکم ملا کہ نخلہ جاکر وہاں کے بتوں کا صفایا کردیں۔ جزیرۃ العرب کا مشہور و معروف بت "عزیٰ" نخلہ میں نصب تھا۔ قبیلہ ہوازن اور اہلِ مکہ ایک دوسرے کے قدیمی اور خاندانی دشمن تھے۔ جب ہوازن نے یہ دیکھا کہ مسلمان ان کے بتوں کو توڑ کر درحقیقت ان کے عقائد کی جڑیں کاٹ رہے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ وادی حنین میں سخت مقابلے کے بعد اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ

ہجرت کے آغاز سے دسویں سال تک پیغمبر اسلامؐ نے جزیرۃ العرب کی سرزمین پر روزانہ ۸۲۲ مربع کلومیٹر کے حساب سے پیش قدمی کی۔ اسلام کے آغاز میں مسلمان اتنے تہی دست اور بے بضاعت تھے کہ پہلی تین جنگوں میں ہر دو سپاہیوں کے پاس ایک اونٹ ہوتا تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور ان کے لشکر میں صرف دو گھوڑے شامل تھے۔ لیکن بعد میں مسلمان اتنے طاقتور اور مالدار ہوگئے کہ جنگِ حنین میں ان کے پاس ایک ہزار گھوڑے تھے۔ اس طرح جنگِ تبوک میں اسلامی لشکر دس ہزار گھوڑے لے کر چلا تھا۔ مسلمانوں نے اپنی پہلی لڑائی صرف چار افراد کے بل بوتے پر لڑی اور وہ لڑائی نخلہ کے مقام پر پیش آئی تھی۔ دوسرے لڑائی میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی۔ جنگِ احد میں سات سو مسلمان سپاہی میدان کارزار میں اترے تھے لیکن جنگِ تبوک میں انہوں نے تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں قدم رکھا تھا۔ بعض جنگوں

میں مسلمانوں کا نقصان بہت کم ہوا اور بعض میں انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن مسلمانوں کے تصرف میں آنے والے جزیرۃ العرب کے عظیم حدود اربعہ کے پیشِ نظر ان کا نقصان برائے نام تھا۔ ہجرت کے نویں سال سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام قدرے علیل ہوگئے اور مدینہ میں ہی مقیم رہے۔ بہرحال اس سال سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ میں سفیروں اور اطراف و اکناف کے قبائل کی نمائندہ جماعتوں سے ملاقاتیں کیں۔ اس موقع پر سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام پورے جزیرۃ العرب کے مذہبی، سیاسی اور عسکری پیشوا تھے، لیکن اس کے باوجود جب کوئی سفیر یا وفد ان سے ملنے آتا تو دیکھتا کہ آپؐ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر بیٹھے ہیں اور آپؐ کا اسباب زندگی وہی ہے جو برسوں پہلے تھا۔

ہجرت کے دسویں سال سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام چودہ ہزار مسلمانوں کی معیّت میں مناسکِ حج کی ادائیگی کے لئے مدینہ سے مکہ تشریف لائے۔ ۹ ذی الحجہ سن ۱۰ھ کو جب سورج ڈھل گیا تو سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوکر وادی نمرہ میں جبل الرحمت پر جلوہ افروز ہوئے۔

خطبہ حجۃ الوداع اسلام میں اساسی دستور اور بنیادی اصول کی

حیثیت کا حامل ہے۔ وفات سے تقریباً اسی (۸۰) روز پہلے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کے زمانے میں فرمایا:

لوگو! میری باتیں غور سے سنو!

کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں پھر تم سے نہ مل سکوں۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قبیلے اس لئے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اس لئے کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، اسی طرح کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر فضیلت نہیں۔

اے قبیلہ قریش!

ایسا نہ ہو کہ قیامت میں تم دنیا کا بوجھ سمیٹ کر اپنی گردن پر لادے ہوئے آؤ اور دوسرے لوگ آخرت کا سامان لائیں۔ اگر ایسا کیا تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکوں گا۔

اے لوگو! .... آج کا دن اور اس مہینہ کی تم جس طرح حرمت کرتے ہو اس طرح ایک دوسرے کا ناحق خون کرنا اور کسی کا مال لینا تم پر حرام ہے۔ خوب یاد رکھو کہ تمہیں خدا کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہ تمہارے سب کاموں کا پورا جائزہ لے گا۔

اے لوگو! .... جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں۔ ان کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنا۔

یاد رکھو!

خدا کی ذمہ داری پر عورتیں تم پر حلال ہوئیں اور اسی کے حکم سے تم نے ان پر تصرف کیا ہے۔ پس ان کے حقوق کی رعایت میں خدا سے ڈرتے رہنا۔

غلاموں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ جیسا تم کھاتے ہو ویسا ان کو کھلانا۔ جیسے تم کپڑے پہننا ویسے ہی ان کو کپڑے پہنانا۔ اگر ان سے کوئی خطا ہوجائے اور تم معاف نہ کرسکو تو ان کو جدا کردینا کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں۔ ان کے ساتھ سخت برتاؤ نہ کرنا۔

لوگو! میری بات غور سے سنو!

خوب سمجھو اور آگاہ ہو جاؤ!

جتنے کلمہ گو ہیں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

سب مسلمان اخوت کے سلسلے میں داخل ہوگئے ہیں۔

تمہارے بھائی کی چیز تم کو اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔

خبردار! .... زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے کچل دی گئی ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے تمام خون معاف ہیں۔

خبردار! .... ناانصافی کو پاس نہ آنے دینا۔ میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوط پکڑے رکھو گے اور اس پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز خدا کی کتاب ہے۔

میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی نئی امت نہیں۔

خبردار! .... اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، صلوٰۃ قائم کرو۔ ماہ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے اموال کی خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔

اپنے رب کے گھر (بیت اللہ) کا طواف کرو۔

مذہب میں غلو اور مبالغے سے بچو۔ کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی عمل سے برباد ہوچکی ہیں۔

خبردار! .... میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔ تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔

اگر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہو وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی اطاعت کرو۔

اے لوگو!

عمل میں اخلاص، مسلمان بھائیوں کی خیرخواہی اور جماعت میں اتفاق یہ باتیں سینہ کو صاف رکھتی ہیں۔

اے لوگو! .... تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا۔ تو بتاؤ تم کیا کہو گے؟

لوگوں نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے اللہ کا پیغام ہمیں پہنچا دیا ہے اور اپنا فرض پورا کردیا ہے تو آپؐ نے انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا پھر لوگوں کی طرف جھکا کر فرمایا۔

یا اللہ! تو گواہ ہے ....

پھر فرمایا:

خبردار! .... جو حاضر ہیں وہ یہ کلام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں خواہ وہ اس وقت موجود ہیں یا آئندہ پیدا ہوں گے کیونکہ بہت سے وہ لوگ جن کو میرا کلام پہنچے گا خود سننے والوں سے زیادہ اس کی حفاظت کریں گے۔

عفو و درگذر

ہجرت کے گیارہویں سال ربیع الاول کے مہینے میں سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام علیل ہوگئے۔ ایک روز مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آنے والے مسلمانوں کو مخاطب کیا:

"اے مہاجرو! جو مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے ہو، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ انصار سے جو مدینہ کے اصل باشندے ہیں انتہائی نیک برتاؤ کرو کیونکہ مجھے انصار پر بہت بھروسہ ہے۔ جب ہم ہجرت کرکے مدینہ آئے تھے تو ان لوگوں نے ہمارے لئے بڑی قربانیاں دیں اور ازحد فداکاری کا مظاہرہ کیا۔ لہذا اگر انصار سے کوئی خطا ہوجائے تو درگذر سے کام لینا کیونکہ انصار میرے لئے میرے جسم کی پوشاک کے مانند ہیں۔ انہوں نے آج تک اپنے فرائض بخوبی انجام دیئے ہیں اور اب ان پر کوئی فرض باقی نہیں رہتا مگر تم لوگوں پر ان کا بہت حق بنتا ہے۔

اے لوگو! جب میں دنیا سے رخصت ہوجاؤں اور تم مجھے سپرد خاک کردو تو میری قبر کے سامنے سجدہ نہ کرنا۔ رکوع و

سجود کے لائق صرف خدائے وحدہ کی ذات ہے۔"

جب سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے پاس دنیا کے مال و متاع میں ایک خچر (جو حبشہ کے بادشاہ نے تحفتہً پیش کیا تھا) اور چند تلواروں کے سوا کچھ نہ تھا۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہیں سپردخاک کرنے کا فیصلہ کیا گیا جہاں آپؐ نے وفات پائی تھی۔ جب مسجد میں جمع عام مسلمانوں کو یہ علم ہوا کہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام رحلت فرما چکے ہیں تو ان میں کہرام مچ گیا اور سب لوگ بے اختیار ہوکر رونے لگے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کو روتا دیکھ کر گرجدار آواز میں بولے، "کیوں روتے ہو یہ شیون زاری کیا ہے؟" پھر انہوں نے میان سے اپنی تلوار نکال لی اور بہت رعب دار آواز میں بولے! "جو کوئی یہ کہے گا کہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہوچکے ہیں تو میں اس کی گردن اڑادوں گا۔ ہمارے رسولؐ فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ کے پاس گئے ہیں اور جلد ہی واپس آجائیں گے اور ہم انہیں دوبارہ دیکھ سکیں گے۔ ابھی یہ مکالمہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکرؓ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کرکے فرمایا،

"یاعمرؓ! خاموش رہو اور اپنی تلوار میان میں رکھ لو"۔ پھر انہوں نے حاضرین کو مخاطب کرکے کہا۔ "اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد رسول اللہؐ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے اور جو شخص تم میں سے اللہ کی پرستش کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ پھر سورۃ آل عمران کی آیت تلاوت فرمائی۔

ترجمہ:

"اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہوچکے تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہوجائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اجر دے گا۔"

(آل عمران - ۱۴۴)

سلام اے آمنہ کے لال

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات، فخرِ نوعِ انسانی
سلام اے ظلِ رحمانی، سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی
زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہوچکی اجزائے ہستی کی پریشانی
زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہوجائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرے کو تابانی
ترا در ہو مرا سر ہو، میرا دل ہو تیرا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی
سلام اے آتشیں زنجیرِ باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

(حفیظ جالندھری)